قسط نمبر 9-6



صبح کے آٹھ بجے بج رہے تھے ارمان گہری نیند میں ڈوبا ہوا تھا اس کا موبائل مسلسل بج رہا تھا----

وہ نہایت بدمزہ ہوتا ہوا اٹھا اور اپنی آنکھیں پوری کھولنے کی کوشش کی ۔اسکرین پر فاریہ کا نام چمکتا دیکھ کر اس کے ماتھے پر ناگواری کی گہری شکنیں ابھریں ---

"اس وقت اسے کیا تکلیف ہے ؟"

اس نے انتہائی بے زاری سے کال ریسیو کی۔

"کیا مسئلہ ہے اتنی صبح کیوں فون کیا ہے تم نے ؟"

دوسری طرف سے فاریہ اس کے لہجے کو سن کر بجھ گئی --وہ سوچے بیٹھی تھی کہ اس کی آواز میں بے قراری ہو گی مگر یہاں تو سین ہی الٹ تھا ۔اس نے اپنی آواز میں مصنوئی گھبراہٹ پیدا کی ۔

"آپ کہاں ہیں ارمان ؟--کیا سو رہے تھے ؟"

"جہنم میں ہوں کیوں آنا ہے کیا وہاں ؟"

اس کے جواب پر فاریہ نے فون کو کان سے ہٹا کر دیکھا۔

"آپ ارمان ہی ہیں نا ؟"

گویا اس نے تصدیق چاہی --

"نہیں میرا بھوت ہے کام کی بات کرو مجھے سونا ہے"

اسکا موڈ ویسے ہی خراب ہو چکا تھا ۔

"آپ نے میرے لیے مصیبت کھڑی کر دی ہے"

ارمان نے پیشانی سہلاتے ہوئے جھنجھلا کر کہا۔

"واٹ نان سینس پاگل ہو میں نے کیا کیا ہے؟--میں تو سویا ہوا تھا"

"وہ کل رات آپ آئے تھے نا؟---"

"ہاں آیا تھا تو پھر؟"

"بھابھی نے ہمیں بات کرتے دیکھ لیا تھا انہوں نے گھر میں سب کو بتا دیا اور اب سب مجھے ہی اس سب کا قصوروار ٹھہرا رہے ہیں"

وہ ایک ہی سانس میں ساری بات بول گئی ۔

"اب یہ کیا نئی بکواس ہے؟"

ارمان کا لہجہ مزید سرد ہوا۔

فاریہ بمشکل بولی

"یہی سچ ہے ارمان انہیں لگتا ہے کہ میرا اور آپ کا کوئی افیئر چل رہا ہے"

"واٹ؟"

ارمان جھٹکے سے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"تمہارے دماغ میں یہ گھٹیا بات آئی کہاں سے؟--سٹار پلس کے ڈرامے دیکھتی ہو کیا؟"

ارمان اس کی مسلسل تذلیل کر رہا تھا اس نے غصے سے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں ۔

"میرے دماغ میں نہیں آئی مزنہ اور بھابھی نے کل رات سے گھر میں تماشا لگا رکھا ہے۔انہوں نے سب کو یقین دلا دیا ہے کہ میں خود آپ کے پیچھے پڑی ہوئی ہوں ۔ارمان میں کیا کروں آپ پلیز سب کو سچ بتا دیں کہ آپ خود میرے پاس آئے تھے آپ بولیں گے تو سب کا غصہ اور شک ٹھیک ہو جائے گا۔"

ارمان کی آنکھوں میں ناگواری تھی ۔

"اس موٹی کی عقل بھی اتنی ہی موٹی ہے کیا کوئی اپنی ہی سگی بہن کے ساتھ ایسا تماشا کر سکتا ہے ؟"

فاریہ نے گہری سانس لی اور تحمل سے بولی ---

"آپ کو تو اچھی طرح پتا ہے نا کہ وہ کیسی ہے گھر میں سب اسی کی مرضی کے مطابق چلتے ہیں اب آپ ہی مجھے اس اذیت ناک مصیبت سے باہر نکال سکتے ہیں۔"

"تم دونوں بہنوں کے ذاتی جھگڑوں اور خاندانی ڈراموں میں مجھے مت گھسیٹو"

وہ صاف صاف انکار کر چکا تھا ۔

"کیوں نہ گھسیٹوں ؟؟ یہ سارا مسئلہ شروع ہی آپ کی وجہ سے ہوا ہے اور میرے ابو ابھی کاظمی انکل کو کال کر کے بلوانے لگے ہیں ---وہ بہت غصے میں ہیں"

فاریہ نے لہجے میں بے بسی سموئی ۔

"کیا ؟؟؟تمہارے ابو تک بات اتنی جلدی پوہنچ بھی گئی ؟؟؟ بڑی تیز سروس ہے تم عورتوں کی"

اسے اندازہ ہی نہیں تھا وہ کسی کی بیٹی کے ماں باپ کا سکون برباد کر چکا تھا --

ارمان چند لمحے گہری خاموشی میں ڈوبا رہا اسے فاریہ کی پریشانی سے زیادہ اس صورتحال سے اپنی جان چھڑانے کی فکر کھا رہی تھی۔

"تو اب تم یہ چاہتی ہو کہ میں تمہارے گھر آ کر سب کے سامنے ہاتھ باندھ کر کہوں کہ میں خود تمہارے پیچھے منڈلا رہا تھا"

"جی ہاں آنا تو آپ کو پڑے گا ---"

"کیا تمہارے گھر والے سب کے سب پاگل ہیں؟"

"بتایا تو ہے وہ سب آنکھیں بند کر کے بس مزنہ کی ہر بات پر یقین کرتے ہیں۔"

ارمان نے اپنی آنکھیں سختی سے بند کر کے ایک لمبی اور بھاری سانس خارج کی

"افففف یہ مزنہ مزنہ کے نام سے پک گیا ہوں میں"

ارمان کی بات پر فون کی دوسرے طرف وہ مسکرائی ۔

"تو پھر آپ آ رہے ہیں نا۔؟"

فاریہ نے امید بھری آواز میں پوچھا۔

ارمان نے فون پر مزید کچھ سننے سے پہلے انتہائی دو ٹوک اور سخت لہجے میں کہا۔۔

"بی بی میری بات سنو تم جانو اور تمہاری بہن جانے میری طرف سے تم دونوں بھاڑ میں جاؤ"

وہ تیز آواز میں دھاڑا ۔

"آپ مجھ سے کیسے بات کر رہے ہیں ارمان ؟"

فاریہ کو یقین نہیں ہوا تھا کہ ارمان اس لب و لہجے میں بھی بات کر سکتا ہے ۔

"دیکھو فاریہ کل رات ہم صرف بات کر رہے تھے میں تو اپنی سالی سمجھ کر رک گیا تھا"

"صرف سالی ؟"

فاریہ نے اس کی بات کو کاٹتے ہوئے پوچھا ۔

"ظاہر ہے تو اور کیا سمجھنا چاہیئے تھا ؟"

فاریہ کو گہرا صدمہ پوہنچا تھا ۔۔

"دیکھو یار ۔۔میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا ۔۔تم اپنے گھر والوں کو خود ہینڈل کرو ۔۔۔"

یہ کہہ کر اس نے فاریہ کو صفائی کا موقع دیے بغیر ہی کال سختی سے کاٹ دی۔۔ فاریہ نے موبائل کو اٹھا کر اس نے صوفے پر اتنی زور سے پھینکا کہ وہ اچھل کر دوسری طرف جا گرا اس کے چہرے پر

غصے اور پچھتاوے تھے ۔

"سمجھتا کیا ہے خود کو ؟--رات کو تو ایسے ظاہر کر رہا تھا جیسے مجھ سے زیادہ حسین لڑکی نہیں دیکھی۔اب کیا کروں گی میں ؟؟یہ تو مکر گیا ہے"

وہ پریشانی سے ادھر ادھر ٹہلنے لگی ارمان کا لہجہ سے بتا رہا تھا کہ وہ اس کی کسی بات سے متاثر نہیں ہوا تھا ---

"چالیں الٹی پڑ رہی تھیں ---جیت ہار میں بدل رہی تھی-- جھوٹ کا گڑھا ٹوٹ کر پاش پاش ہو ہونے کا تھا

کون کہتا ہے کہ کسی کا مقدر چھین لینا اتنا آسان کھیل ہے؟ یہ عارضی چکاچوند، دولت کی جھوٹی نمود و نمائش اور مٹی کے کھلونوں جیسی فانی دنیا کی ہوس انسان کی آنکھوں پر ایسے پٹ باندھ دیتی ہے کہ اسے اپنا ہر داؤ سچا لگنے لگتا ہے۔ فاریہ نے بھی یہی سودا کیا تھا، یہ سوچ کر کہ وہ مزنہ کا نصیب جھپٹ لے گی، مگر آج اس کی ساری چالیں بری طرح الٹی پڑ چکی تھیں اور زندگی کے ہر محاذ پر شکست اس کا مقدر بن رہی تھی!

وہ تو بس اپنی طرف سے گنتی کی چند مکاریاں ہی چل سکی تھی، مگر اب اصل اور آخری چال وہ ذاتِ باری تعالی چل رہی تھی جس کے آگے عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں۔ کیا معلوم، کائنات کے اس مدبر نے فاریہ سے یہ خطا کروا کر، اس کے ہی ہاتھوں سے مزنہ کے لیے کوئی ایسا بہترین اور خوبصورت فیصلہ لکھا ہو جو اس کی اندھیری زندگی میں کسی مسیحا کو اتارنے کا وسیلہ بننے والا ہو؟

بعض اوقات قدرت کے کڑے فیصلے بظاہر درد اور اذیت کا طوفان لگتے ہیں، مگر حقیقت میں وہ کسی اور کی تقدیر سنوارنے اور اس کی زندگی میں کسی بہتر اور سچے انسان کو لانے کا سب سے بڑا معجزہ ہوتے ہیں۔ اب فاریہ کے اپنے مقدر کے سیاہ ورق پر آگے کیا لکھا ہے، اس کا بھید تو صرف وہی

ربِ کریم جانتا ہے۔

اور دسری طرف ارمان ہاتھوں میں بال جکڑے خود کو کوس رہا تھا

"کیا مصیبت ہے یار ایک طرف گھر والوں کی طرف سے شادی کے فضول جھنجھٹ اور دوسری طرف ان دو بہنوں کے پاگل پن کے ڈرامے"

وہ شدت سے اپنے کیے پر پچھتا رہا تھا کہ آخر وہ کل رات عقل کا اندھا بن کر میں گیا ہی کیوں تھا جہاں اس نے بلاوجہ اپنا سکون برباد کر ڈلا۔

"کہاں پھنس گیا ہوں میں یار کس دلدل میں آ گیا ہوں"

اس کے ذہن کے پردے پر وہ ہولناک اور سحر انگیز منظر لہرایا جب کل رات اکیلے میں فاریہ اپنے حسن کے تمام تر جادوئی جلوے اسے دکھا کر اس کے ہوش اڑا رہی تھی وہ رات کا ایک ایک پل اور وہ ادایں اب اس کے لیے زہر لگ رہی تھیں۔

لعنت ہو ارمان تجھ پر ---مجھے وہاں رکنا ہی نہیں چاہیئے تھا --افففف کیا کہوں گا اپنی صفائی میں سب کو لگے گا مزنہ سے شادی سے انکار میں نے فاریہ کے لئے کیا ہے ----گھر والے پہلے ہی میری شکل نہیں دیکھ رہے یہ سن کر تو جان سے مار دیں گے"

وہ سر تھامے اپنے بالوں کو مٹھیوں میں جکڑ گیا تھا ۔

"نہیں یہ دونوں بہنیں ہی پاگل ہیں مجھے ہر صورت ان دونوں سے اپنی جان چھڑانی ہوگی ورنہ یہ میرا جینا حرام کر دیں گی۔"

یونیورسٹی ہمیشہ کی طرح آج بھی طالبعلموں کے شور و غل ہنسی مذاق اور قدموں کی چاپ سے گونج رہا تھا، مگر اس گہما گہمی کے بیچوں بیچ انجانی، اور اداس خاموشی اتری ہوئی تھی۔

مزنہ، یمنہ اور آہانہ جن کی ہنسی سے پوری کینٹین اور ڈیپارٹمنٹ کی رونقیں بحال ہوا کرتی تھیں، آج یوں بیٹھی تھیں جیسے صدیوں کے فاصلے ان کے درمیان حائل ہو چکے ہوں۔

آج سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ وہ تینوں ایک ساتھ ہوں اور ان کے لبوں پر باتوں کے پھول نہ کھلے ہوں۔ مگر آج معاملہ بالکل مختلف تھا۔ تینوں ایک دوسرے سے نظریں چرا رہی تھیں، ایک خوف تھا، ایک گہرا ابہام تھا جو ان کی زبانوں کو تالے لگا گیا تھا، اور وہ چاہ کر بھی ایک دوسرے کو اپنی اندرونی اذیت اور دل میں سلگتی پریشانی نہیں بتا پا رہی تھیں۔

کلاسز معمول کے مطابق ہوئیں، لیکچرز کا شور ہوا، گھنٹیاں بجیں اور روٹین کی زندگی اپنے دائرے میں چلتی رہی۔ آخرکار الوداع کہنے کا لمحہ آگیا۔۔وہ روز کی طرح ایک دوسرے کو اللہ کی امان میں دے رہیں تھیں مگر انہیں ذرا برابر بھی اس بات کا علم نہیں تھا کہ کائنات کے پردے پر کیا کھیل کھیلا جا رہا ہے، اور یہ کہ آج کی یہ ملاقات ان تینوں کی زندگی کی آخری ملاقات ثابت ہوگی۔ وقت کے بے رحم فیصلے آنے والے کل میں کیا کیا دردناک رنگ دکھائیں گے، اس کا ادراک تو دور کی بات، ان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی۔ یہ ان کا آخری ملن تھا، وہ یونیورسٹی کی آخری شام تھی جو ہمیشہ کے لیے ان کے راستے جدا کر رہی تھی۔

وہ لڑکی جو ہر وقت کھانے پر جھگڑا کرتی تھی، آج ہر چیز سے روٹھی ہوئی یوں بیٹھی تھی جیسے بھوک اور پیاس کا احساس اس کے جسم سے کہیں دور جا چکا ہو۔۔۔آہانہ کے ہونٹ کسی نام کو سوچ کر خوبصورت سرگوشی کیا کرتے تھے آج بلکل ویران تھے ۔۔۔یمنہ جس کی آنکھیں اپنے خوابوں کو لے کر بہت پر امید تھی آج اس کی آنکھوں میں خوف نے ڈیرے جما رکھے تھے ۔۔۔

ان کی سرخ اور سوجھی ہوئی آنکھیں اس بات کی گواہی دے رہی تھیں اور صاف چغلیاں کھا رہی تھیں کہ وہ تینوں پچھلی پوری رات کتنا زار و قطار روئی ہیں۔ ان کے تھکے ہوئے اور مرجھائے ہوئے

چہرے بتا رہے تھے کہ وہ آنے والے گہرے اور نامعلوم وقت کے لیے کس قدر سخت اور خوفناک حد تک پریشان ہیں۔ مگر اس کے باوجود، ان تینوں نے اپنی زبان سے ایک دوسرے سے کچھ نہیں کہا۔ شاید وہ اتنی بے بس تھیں کہ ایک دوسرے کو مزید دکھ نہیں دینا چاہتی تھیں، یا شاید وہ جانتی تھیں کہ ان کے اپنے اندر کا طوفان اس قدر بھیانک ہے کہ اگر انہوں نے لب کھولے تو اندر کا سارا بند ٹوٹ جائے گا۔

آج جانے کیا بات تھی انہوں نے ایک دوسرے کو کتنی دیر تک گلے لگائے رکھا تھا ۔وہ جدائی کا ایک ایسا سحر انگیز منظر تھا ۔ الفاظ مر چکے تھے ۔ خاموش سسکیاں فضا میں معلق تھیں۔

کاظمی صاحب صوفے پر بیٹھے پیشانی مسل رہے تھے۔ ان کے چہرے سے پریشانی صاف عیاں تھی جبکہ نازیہ خاموشی سے ان کے پہلو میں بیٹھی تھیں۔ زاوش بھی وہیں موجود تھا اور کافی دیر سے اپنے انہیں سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''ڈیڈ آپ خود سوچیں کہ زبردستی سے ہم اس مسئلے کو حل نہیں کر سکتے بلکہ مزید بگاڑ رہے دیں گے ۔ ارمان اس وقت ہماری بات مان بھی لے تو کیا ضمانت ہے کہ شادی کے بعد مزنہ کو دل سے قبول کر لے گا؟ اور اگر کچھ عرصے بعد اس نے اسے چھوڑ دیا تو اس بچی کے ساتھ کتنی بڑی زیادتی ہوگی؟''

کاظمی صاحب نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

''تو پھر میں کیا کروں زاوش؟

تمہیں اندازہ بھی ہے کہ میں کس مشکل میں پھنس گیا ہوں؟آج صبح صبح مجھے فون آیا ہے اسکا اس کا لہجہ بتا رہا تھا وہ خفا ہے اس نے ارمان کو طلب کیا ہے شادی کی تاریخ طے ہو چکی ہے۔ میں نے

اپنے جگری یار کو زبان دی ہے۔ اب کس منہ سے اس کے سامنے جاؤں اور کہوں کہ میرا بیٹا تمہاری بیٹی سے شادی نہیں کرنا چاہتا؟ اس باپ پر کیا گزرے گی جس کی بیٹی کا رشتہ طے ہونے کے بعد ختم کر دیا جائے؟---وہ وجہ پوچھے گا ---اس پر تہمتیں لگیں گی کیا کہوں گا ؟"

وہ شدید جزبتی ہو رہے تھے ۔

زاوش نے آنکھیں بند کیں اور گہری سانس لے کر خود کو پرسکون کیا ۔

''میں سمجھتا ہوں ڈیڈ۔ لیکن صرف اپنی عزت بچانے کے لیے مزنہ کی پوری زندگی داؤ پر لگانا بھی تو درست نہیں--آپ انہیں سہولت سے سمجھائیں گے تو وہ ضرور سمجھیں گے --- میں خود بات کروں گا ان سے ---"

زاوش نے نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی ۔

"تمہاری ماں اگر مجھے پہلے بتا دیتی تو شاید میں وقت پر کچھ سوچ لیتا ----"

وہ نازیہ کو خفگی سے دیکھتے ہوئے بولے ---

نازیہ نے بے بسی سے ان کی طرف دیکھا۔

''میں نے سوچا تھا کہ شاید وقت کے ساتھ ارمان مان جائے گا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ بات یہاں تک پہنچ جائے گی۔''

وہ بے حد شرمندہ تھیں ۔

"اس بچی کی زنگی خراب ہو جائے گی کچھ اندازہ ہے ؟"

کاظمی صاحب کی آواز بلند ہو گئی۔

ڈیڈ پلیز آپ ریلکس ہو جایئں --

''مزنہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ سمجھ دار ہے اور رشتوں کی قدر کرنا جانتی ہے۔ اللہ نے یقیناً اس کے لیے

بھی کچھ بہتر لکھا ہوگا۔ شاید یہ رشتہ اس کے حق میں بہتر نہ ہو۔''

''بہتر؟ ''

کاظمی صاحب تلخی سے مسکرائے۔

''تم لوگوں کے لیے ہر مسئلے کا حل یہی ہے کہ وقت پر چھوڑ دو اللہ بہتر کرے گا مگر دنیا میں کچھ ذمہ داریاں انسان کو خود بھی نبھانی پڑتی ہیں۔ میں نے اس بچی کے باپ کو امید دلائی تھی۔ اب اس امید کو توڑنے کا بوجھ کیسے اٹھاؤں گا ؟"

زاوش نے آہستگی سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''آپ خود کو اتنا پریشان مت کریں۔ ہم مل کر کوئی راستہ نکال لیں گے۔''

"میری اولاد نے مجھے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا اور تم کہتے ہو پریشان نہ ہوں --"

"اب آپ مجھے کیوں گھسیٹ رہے ہیں میں نے کونسی نافرمانی کی ہے ؟"

وہ بیچارہ تڑپ ہی اٹھا تھا ---

"ہاں تو تم سے بھی کچھ کہوں گا تو کونسا تم مان لو گے میری بات ؟"

وہ بچوں کی طرح روٹھے بیٹھے تھے ۔

زاوش مسکراتا ہوا ان کے پاس بیٹھا ۔

"حکم کر کے دیکھ لیں --"

کاظمی صاحب نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم کر لو اس سے شادی---"

وہ باپ کی بات پر اچھل کر دور ہٹا ---

"دیکھا کہا تھا نا میری اولاد ہی گندی ہے---ابھی تو

''تمہیں اس میں کوئی برائی نظر نہیں آرہی تھی اسے اچھی لڑکی بھی سمجھ رہے تھے اور اس کے بہتر مستقبل کی دعا بھی کر رہے تھے ۔ تو پھر تم خود اس کا ہاتھ کیوں نہیں تھام لیتے ؟''

''ڈیڈ آپ یہ کیسی بات کر رہے ہیں ؟''

زاوش نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔

''کیوں ؟ تمہیں کوئی اعتراض ہے ؟''

''بات اعتراض کی نہیں ہے۔ شادی زندگی کا بہت بڑا فیصلہ ہے۔ صرف اس لیے کہ ارمان انکار کر رہا ہے تو میں اس کی جگہ لے لوں ؟ کیا مزنہ کوئی بوجھ ہے جسے ایک بیٹے سے دوسرے بیٹے کے حوالے کر دیا جائے ؟--یہ بات مزنہ کو ٹریگر کر سکتی ہے"

کاظمی صاحب کی آنکھوں میں دکھ اتر آیا۔

''کیا تمہیں لگتا ہے کہ میں اسے بوجھ سمجھتا ہوں ؟ وہ میرے دوست کی بیٹی ہے زاوش میں اس کا سر جھکنے سے بچانا چاہتا ہوں۔ میری اپنی کوئی بیٹی نہیں ہے ---مگر مجھے اس کا درد محسوس ہو رہا ہے"

زاوش خاموش تھا ۔ وہ اپنے باپ کی تکلیف سمجھ رہا۔کاظمی صاحب نے اس کی خاموشی کو انکار سمجھتے ہوئے ایک بار پھر کہا۔

''میں تم پر زبردستی نہیں کر رہا۔ مگر ذرا سوچو تو سہی۔ شاید تمہارا ایک فیصلہ میرے دوست کی عزت بھی بچا لے اور مزنہ کی زندگی بھی سنوار دے۔''

زاوش نے نظریں جھکا لیں۔

اس کے ذہن میں ایک ہی سوال گردش کر رہا تھا۔

کیا وہ اپنے باپ کی پریشانی دور کرنے کے لیے اپنی زندگی کا ایسا فیصلہ کر سکتا تھا جس کے نتائج

صرف اس کی ذات تک محدود نہیں رہنے والے تھے؟

"کیا سمجھوں میں ؟؟؟--انکار ہے تمہاری طرف سے بھی ؟"

"آپ جلد بازی کر رہے ہیں کاظمی بچے کو سوچنے کا موقع تو دیں جو لڑکی اس کی بھابھی بننے والی تھی آپ اسے بیوی بنانے کا بول رہے ہیں ۔"

نازیہ تڑپ کر آگے بڑھیں ---

"مزنہ اور اس کے گھر والے ؟؟آپ کو لگتا ہے وہ سب مان جائیں گے ؟؟--"

"تم لوگ کوشش بھی نہیں کرنا چاہتے ہو ؟---کوئی برائی نہیں ہے اس میں اگر ہو جائے تو"

کاظمی صاحب نے آس بھری نگاہوں سے زاوش کو دیکھا --- اب ان کی ساری امید اس کے جواب پر ٹکی تھی ----

صبح کے گیارہ بج رہے تھے۔ شہر سے ذرا باہر ایک پرانے ڈیرے کے پچھلے حصے میں جوا اپنے عروج پر تھا۔ دھوئیں سے بھرا کمرہ، میز پر بکھرے نوٹ، حلوہ پوری کی گندی پلیٹیں تاش کے پتے اور پیسوں کی خاطر ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں مصروف چند نوجوان--- وہاں کسی کو ہوش تھا تو صرف جیت اور ہار کا۔

عمیر بھی انہی میں بیٹھا تھا۔

اس کے سامنے نوٹوں کا ڈھیر کب کا ختم ہو چکا تھا۔ پیشانی پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں چمک رہی تھیں اور چہرے پر پھیلی جھنجھلاہٹ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔

''یہ آخری میچ ہے۔ اب کی بار بازی میری ہوگی۔''

اس نے میز پر مکا مارتے ہوئے کہا۔

سامنے بیٹھے لڑکے نے قہقہہ لگایا۔

''یہی بات تم پچھلے چار میچوں سے کہہ رہے ہو عمیر میاں لگتا ہے آج قسمت تمہاری شکل دیکھ کر ہی روٹھ گئی ہے۔جیل کی ہوا جو کھا کر آئے ہو۔۔۔"

"ہاہاہا"

وہاں موجود ہر شخص نے عمیر کا مذاق اڑایا۔

''بکواس بند کرو۔۔ ''

عمیر نے سب کو گھورا۔۔۔

''ارے ہم تو تمہاری ہمت کی داد دے رہے ہیں۔ پیسے بھی ہار رہے ہو اور غصہ بھی ہم پر نکال رہے ہو۔ یہ کیا انصاف ہوا؟۔۔۔ارے مرد بنو مرد۔۔ایسی عورتوں کے پر ہی کاٹ دینے چاہئیں جنہیں اڑنے کا شوق ہو"

یمنہ کا چہرہ اچانک عمیر کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔ جس نے تھانے میں اس کے خلاف زبان کھولی ،جس کی وجہ سے اسے حوالات کی ہوا کھانی پڑی تھی اور جس نے اس کی ماں کے سامنے اسے مجرم بنا کر کھڑا کر دیا تھا۔

اس کے اندر جیسے کوئی چنگاری بھڑک اٹھی۔

''اس منحوس کا نام مت لو میرے سامنے'''

اس نے غصے سے گلاس میز پر دے مارا۔ چند قطرے چھلک کر اس کے ہاتھ پر گرے، مگر اسے پروا نہ ہوئی۔

''اس لڑکی نے گھر میں میری عزت ختم کر دی، تھانے میں میری بے عزتی کروائی اور اب تم لوگ

بھی اسی کا نام لے کر میرا مذاق اڑاؤ گے؟''

ایک دوست نے ہنستے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''تو پھر اسے چھوڑ کیوں دیا؟ جا کر سبق سکھا۔''

عمیر نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"سبق تو ایسا سکھاؤں گا کہ ساری زندگی نہیں بھولے گی۔ تم لوگ مجھے جانتے نہیں ہو۔اپنا دشمن نہیں چھوڑتا میں -- اس نے مجھے سب سامنے نیچا دکھایا ہے۔ اب میں بھی اسے ایسی جگہ لا کر کھڑا کروں گا جہاں اس کی عزت دو کوڑی کی ہو گی"

اس کے لہجے میں ایسی نفرت تھی کہ چند لمحوں کے لیے میز کے گرد بیٹھے لڑکے بھی خاموش ہو گئے۔

دروازے کی طرف سے کسی گاڑی کے رکنے کی آواز آئی۔

ایک لڑکا اٹھ کر کھڑکی کے پاس گیا اور باہر جھانکنے لگا---

''اوئے لگتا ہے کوئی بڑی مچھلی آئی ہے۔''

چند لمحوں بعد بھاری قدموں کی آواز کمرے میں گونجی۔ دروازہ کھلا اور ایک ادھیڑ عمر شخص اندر داخل ہوا۔ سفید شلوار قمیص پر گہری رنگ کی واسکٹ، انگلی میں بھاری انگوٹھی اور ہاتھ میں قیمتی گھڑی---

اس کے ساتھ دو آدمی تھے جو اس کے بیٹھنے سے پہلے ہی کرسی آگے کھینچ چکے تھے۔

وہ علاقے کا بااثر وڈیرہ تھا۔ دولت بھی بے حساب اور تعلقات بھی ایسے کہ عام آدمی اس کے سامنے بولنے سے پہلے کئی بار سوچتا۔

سبھی اٹھ کر اس دم ہلاتے اس کے آگے پیچھے گھومنے لگے --- عمیر نے اسے پہچاننے کی کوشش کی۔

"ارے یہ برابر والے گاؤں کا چوہدری ہے --- بڑا پیسہ ہے ان کے پاس ---یہاں کبھی کبھی تاش

کھیلنے آتا ہے"

"کیسا کھیلتا ہے ؟"

اس نے بیٹھتے ہوئے مسکرا کر پوچھا۔

"کھلاڑی ہے بھائی ---اور بولی بھی صرف دو ہی چیزوں کی لگاتا ہے پیسہ یا عورت ---اور سنا ہے عورت کبھی نہیں ہارتا یہ --- اس کے چیلے ہیر پھیر کرتے ہیں"

عمیر کی آنکھوں میں چمک اور شیطانیت ٹپکنے لگی تھی ---

"چل اٹھ پھردو دو ہاتھ ہم بھی کریں"

عمیر نے دوستوں کو ساتھ اٹھانا چاہا مگر سب نے اسے دوبارہ کرسی پر بٹھا دیا --

"ارے پاگل واگل ہے کیا ؟---پیسہ تیرے پاس ہے نہ ہی ---کیا داؤ پر لگائے گا ؟"

وہ سب حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے ---

"بڑی قیمتی چیز ہے جسے میں جان بوجھ کر ہارنا چاہتا ہوں"

وہ پر اسرار سا مسکراتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھا اور چودھری کے سامنے جا کھڑا ہوا ۔

اس کی نگاہ اس بگڑے ہوئے چہرے پر پڑی۔

''تم نئے لگتے ہو۔ نام کیا ہے تمہارا؟''

''عمیر۔''

''اور یہ منہ کیوں لٹکا رکھا ہے؟''

ایک لڑکا بول پڑا۔

''جی ہمارے عمیر بھائی کی تو قسمت ہی خراب ہے۔ مسلسل ہار رہے ہیں، مگر مجال ہے جو میدان چھوڑ دیں۔''

عمیر نے اسے گھور کر دیکھا مگر چوہدری کی دلچسپی بڑھ گئی۔

''اچھا تو میاں بڑے کھلاڑی ہو؟''

''بس صاحب جی، آج قسمت ساتھ نہیں دے رہی۔''

''قسمت کو الزام دینے سے بہتر ہے کہ اسے آزمایا جائے۔'

''چودھری نے میز پر انگلی سے ہلکی سی ضرب لگائی۔ ''لگاؤ ایک بازی۔دیکھتے ہیں کتنا دم ہے تم میں۔

عمیر نے جیب ٹٹولی، چند مڑے تڑے نوٹ نکلے تو اس کے چہرے پر شرمندگی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس کے دوست نے نوٹ میز پر پھینکے۔

''لگاؤ بھائی آج تو جیت کر ہی اٹھنا ہے۔''

پہلی بازی لگی۔

پتے کھلے تو عمیر کے ہونٹوں پر کئی گھنٹوں بعد مسکراہٹ آئی۔ وہ جیت گیا تھا۔

''دیکھا قسمت کبھی نہ کبھی مہربان ہوتی ہے۔''

چودہری ہنسا۔

''بس ایک جیت پر اترا رہے ہو؟ ابھی تو کھیل شروع ہوا ہے۔''

دوسری بازی لگی اور اس بار عمیر کے چہرے سے رنگ اڑ گیا۔ وہ ہار چکا تھا۔ جو کچھ ابھی جیتا تھا، وہ بھی واپس میز پر جا چکا تھا۔

اس نے بے یقینی سے کھلے ہوئے پتے دیکھے پھر اپنے دوستوں کی طرف۔ ان کے چہروں پر دبی دبی مسکراہٹیں تھیں۔

''کیا ہوا عمیر میاں؟''

چودہری نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے پوچھا۔

''ابھی تو بڑے پُراعتماد تھے۔ ایک اور ہاتھ ہو جائے؟''

عمیر نے جیب میں ہاتھ ڈالا خالی۔

اس کی گردن جھک گئی۔

''اب جیب میں کچھ نہیں بچا۔ بولی کس چیز کی لگاؤں؟''

ایک لمحے کو کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

چودہری کے لبوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ارے کچھ تو قیمتی ہو گا پیارے"

وہ ذرا آگے جھکا پھر اس کے کانوں میں زہر گھولتا ہوا بولا۔۔۔اس کے چیلے حرام مشروب پلا پلا کر عمیر اور اس کے دوستیوں کو بلکل بے سدھ کر چکے تھے ۔

''اپنی محبوبہ کی بولی لگا لو۔'

عمیر کو اسی چیز کا انتظار تھا جیت جاتا تو بہت پیسہ ملنا تھا اور ہار جاتا تو بدلہ پورا ہوتا ۔

نگاہوں کے سامنے یمنہ کا چہرہ پھر گھوم گیا۔

عمیر کے لبوں پر ایک ٹیڑھی مسکراہٹ ابھری۔

''یمنہ۔''

نام لیتے ہی اس کے اندر کا بند دروازہ زور سے کھلا۔ وہ جانتا تھا کہ یمنہ اس کی محبوبہ نہیں تھی نہ ہی اس نے کبھی اسے اس نگاہ سے دیکھا تھا۔ مگر اس وقت اسے سچ سے کوئی غرض نہیں تھی۔ اسے صرف انتقام چاہیے تھا۔

''کیابولی لگاتے ہو اس کی؟''

چودہری نے دلچسپی سے پوچھا۔

عمیر نے میز پر ہاتھ رکھا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''جو آپ کہیں جی۔''

چودھری نے اپنے آدمی کو اشارہ کیا۔ اس نے نوٹوں کی گڈی نکال کر میز پر رکھ دی۔

''تو پھر لگاؤ بازی۔ ۔''

پتے بانٹے گئے۔آخری پتا کھلا اور عمیر ہار گیا تھا۔

چوہدری قہقہہ لگا کر اٹھا۔

''بہت خوب عمیر میاں محبوبہ بھی گئی اور بازی بھی ہاتھ سے نکل گئی۔''

عمیر تو اس بازی کو دل جان سے ہارنا چاہتا تھا ۔

چودھری نے جاتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''یاد رکھنا، میاں جو چیز بازی میں لگائی جائے، اس پر دعویٰ بھی نہیں کیا جاتا۔''

وہ اپنے آدمیوں کے ساتھ باہر نکل گیا۔

عمیر وہیں بیٹھا رہ گیا۔ اس کی نگاہیں میز پر بکھرے پتوں پر جمی تھیں اور ذہن میں یمنہ کا چہرہ گردش کر رہا تھا۔

اس نے دانت پیستے ہوئے زیر لب کہا۔

''اب دیکھتا ہوں یمنہ--- تمہاری زندگی میں کون سا سکون باقی رہتا ہے۔''

اسے یہ احساس تک نہیں تھا کہ جوا وہ صرف پیسوں کا نہیں ہارا تھا۔ اپنی انسانیت بھی داؤ پر لگا بیٹھا تھا۔

اور اس کی اس ایک بازی کی قیمت یمنہ کو نہیں سارے گھر کو چکانی تھی---

گاڑی میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

آہانہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی، جبکہ ارشام کی نظریں سڑک پر جمی تھیں۔

آج دونوں کے درمیان باتوں کا وہ مانوس سلسلہ نہیں تھا جو کبھی ختم ہونے کا نام نہیں لیتا تھا۔

آہانہ نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔

وہ خاموش تھا ۔

اور اس کی یہی خاموشی آہانہ کو بے چین کر رہی تھی۔

''آپ بات نہیں کریں گے ؟''

ارشام نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، جیسے وہ کہیں دور سے لوٹا ہو ۔

''تم نے بات کرنے لائق چھوڑا ہی کب ہے ؟''

"ارشام ----"

"کچھ سننے کی طلب رہی بھی نہیں آہانہ"

اس کا چہرہ سپاٹ تھا --اجنبی ---

"آپ ----کا گمان غلط ہے ارشام بی جان نے بابا کو نہیں بھڑکایا ----آخر کچھ تو ہو گا جو بابا نے اتنا بڑا سٹیپ لیا --- تایا ابو اور دادا جان سے شاید کوئی بھول ہو گئی ہو ----"

"تم کہنا چاہتی ہو کہ میرا باپ غلط ہے ؟؟؟ چاچو کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے ؟؟؟"

وہ سرد انداز میں پوچھتا ہوا گاڑی کو اور تیز بھگانے لگا ---اس کی گرفت سٹیرنگ پر مظبوط ہوئی ----

وہ اس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔ اس کے چہرے پر نہ غصہ تھا نہ شکایت کا کوئی واضح تاثر۔

بس لاتعلقی تھی---وہ خود کو تکلیف پوہنچا رہا تھا ۔

آہانہ کے اندر کچھ ٹوٹ کر بکھر گیا۔اتنی بیگانگی، اتنی اجنبیت ان کے رشتے میں کب آ گئی تھی؟

"میں نے ایسا تو نہیں کہا ارشام"

"تو پھر کیا کہنا چاہتی ہو تم آہانہ--- تم نے مجھے سکھا دیا کہ آپ کسی کے قدموں کی خاک بھی بن جائیں نہ تو بھی وہ آپ پر خود ہی کو فوقیت دے گا"

"اتنی تلخ باتیں مت کریں ارشام ---"

وہ چیخ کر بولی تھی --

"یہ تلخی تمہاری ہی بخشی ہوئی ہے آہانہ حیدر"

آہانہ نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا ---وہ آج اپنا نام بھی اس کے نام کے ساتھ نہیں لگا رہا تھا---

ابھی تو اس نے کوئی فیصلہ بھی نہیں کیا تھا۔ ابھی تو اس نے گھر سے قدم بھی نہیں نکالا تھا۔ پھر ارشام اس سے یوں دور کیوں ہو رہا تھا--

"ارشام کوئی غلط فہمی بھی تو ہو سکتی ہے ؟"

اس نے ایک اور کمزور سی دلیل دی --

"دشمن کون ہے اور کہاں سے وار کر رہا ہے میں تمہیں بتا بتا کر تھک گیا ہوں مگر تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں ہے ---تو ٹھیک ہے پھر ہونے دو سب جیسا ہمارا دشمن چاہتا ہے ---"

اس نے زور سے ہاتھ سٹیرنگ پر مارا تھا --

"مجھے آپ پر بھروسہ ہے ارشام ----"

"تم بھروسہ کرتی ہو مگر یقین نہیں ۔مگر اب میں تمہیں نہ ہی کسی بات کا یقین دلواؤں گا اور نہ بھروسہ کرنے کا کہوں گا ---"

آہانہ کے دل پر اس کے الفاظ پتھر کی طرح برسے تھے اس کا دل چاہا وہ اس کا ہاتھ تھام کر پوچھے کہ کیا ان کی محبت بس اتنی ہی تھی؟ کیا ایک مشکل وقت آتے ہی ان کے درمیان اتنا فاصلہ آ سکتا تھا؟۔۔مگر اپنی محبت کی تذلیل اسے بھی قبول نہیں تھی ۔۔۔۔ آج پہلی بار دونوں کا راستہ خاموشی سے کٹا تھا۔۔۔آہانہ کے آنسو آج بہتے ہی رہے تھے مگر ۔۔۔۔آج ارشام نے اسے چپ نہیں کروایا تھا

۔۔

یونیورسٹی کی طویل اور تھکا دینے والی کلاسوں کے بعد جب یمنہ نے گھر کی دہلیز پر قدم رکھا تو اس کے کندھے بھاری بیگ کے بوجھ سے جھکے ہوئے تھے۔ سارا دن لیکچرز لینے اور نوٹس بنانے کے بعد اس کا برا حال تھا۔ پیاس سے حلق خشک ہو رہا تھا اور قدموں میں ایسی تھکن اتر آئی تھی کہ وہ بس جلد از جلد گھر پہنچ کر چند لمحے سکون سے بیٹھنا چاہتی تھی۔

دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے ہی اس کی نگاہ سامنے بچھی چارپائی پر پڑی، جہاں اس کے ابا حسبِ معمول لیٹے ہوئے تھے۔

یمنہ کے تھکے ہوئے چہرے پر مسکراہٹ ابھری۔

''ابا''

اس نے بیگ کندھے سے اتارتے ہوئے پکارا۔

''کیسے ہیں آپ؟ طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟''

اقبال نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

مگر ان کی نگاہ میں وہ مانوس شفقت نہیں تھی جس کی عادی یمنہ تھی۔ وہ عجیب سی نظروں سے اسے گھور رہے تھے۔

یمنہ کی مسکراہٹ دھیرے دھیرے ماند پڑ گئی۔

''کیا ہوا ابا؟ ''

اس نے بیگ دروازے کے قریب رکھی کرسی پر رکھا اور ان کے قریب آ گئی۔

''آپ ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں مجھے؟ طبیعت خراب ہے کیا؟''

اقبال کے خشک ہونٹ ہلے، مگر آواز حلق میں اٹک کر رہ گئی۔

وہ اسے دیکھ رہے تھے۔ اپنی جوان بیٹی کو، جس کے لیے انہوں نے کبھی کتنے خواب دیکھے تھے۔ جسے پڑھانے کے لیے اپنی بے بسی کے باوجود ہمت نہیں ہاری تھی۔ جسے وہ اس مقام پر دیکھنا چاہتے تھے جہاں اسے کسی کے سامنے سر نہ جھکانا پڑے۔

مگر آج وہی باپ اپنی بیٹی کو اپنی آنکھوں کے سامنے محفوظ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔

''ابا؟''

یمنہ نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ جیسے کسی گہری سوچ سے باہر آئے۔

اچانک ان کے چہرے پر خوف ابھرا۔

''بھاگ جا'

یمنہ کا ہاتھ وہیں ساکن ہوا --

''جی؟''

''بھاگ جا یہاں سے''

اقبال کی آواز لرز رہی تھی۔

''خدا کے لیے یمنہ یہاں سے چلی جا''

یمنہ نے حیرت سے انہیں دیکھا پھر بےاختیار ان کے پاس چارپائی پر بیٹھ گئی۔

''ابا، کیا ہو گیا ہے آپ کو؟اور کیوں بھاگ جاؤں ہوا کیا ہے ؟"

اس نے ان کے ماتھے پر ہاتھ رکھنا چاہا مگر اقبال نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے سے لگا لیا۔

''ہمارے پاس وقت نہیں ہے بیٹی۔ وہ کسی بھی وقت یہاں پہنچ سکتے ہیں۔ تو یہاں سے نکل جا، اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو جائے''

یمنہ کے دل میں انجانا سا خوف اترنے لگا۔

اس نے اپنے باپ کا چہرہ غور سے دیکھا۔ ان کے ماتھے پر پسینے کے قطرے تھے، آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور انگلیاں اس کے ہاتھ کو یوں جکڑے ہوئے تھیں جیسے وہ اسے روکنا بھی چاہتے ہوں اور خود سے دور بھی بھیجنا چاہتے ہوں۔

''کون آ سکتا ہے، ابا؟ کیا ہوا ہے ؟ مجھے بتائیں تو سہی''

وہ پریشانی میں اٹھ کر کھڑی ہوئی اور بے اختیار دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔

کہیں کوئی باہر کھڑا تو نہیں تھا؟

گھر کے اندر معمول سے زیادہ خاموشی تھی۔ صفیہ اور سارا بھی دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ یمنہ نے سوچا شاید کوئی جھگڑا ہوا ہے، مگر ابا کی حالت دیکھ کر مگر ابا کی حالت دیکھ کر اسے محسوس ہوا کہ معاملہ اس کی سوچ سے کہیں زیادہ سنگین ہے۔

وہ دوبارہ ان کے پاس آ بیٹھی۔

''ابا خدا کے لیے مجھے بتائیں کیا ہوا ہے ؟ آپ مجھے ڈرا کیوں رہے ہیں ؟''

اقبال نے اپنی آنکھیں بند کیں۔

کاش وہ اٹھ سکتا۔۔۔ کاش وہ اپنی بیٹی کا ہاتھ تھام کر اسے کسی محفوظ جگہ لے جا سکتا ۔ کاش اس کے جسم میں اتنی طاقت ہوتی کہ وہ اس کے سامنے دیوار بن کر کھڑے ہو جاتا ۔

مگر فالج نے اس کے جسم کے ایک حصے کو مفلوج کر دیا تھا۔ وہ چارپائی سے اٹھنے اور اپنے پیروں پر چلنے کے قابل نہیں تھا ۔ ان کی بیٹی کی حفاظت کرنے کی خواہش اپنی جگہ، مگر اس کے پاس اسے بچانے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

''تیرا بھائی ---- عمیر"

ان کے لب لرزے۔

یمنہ نے بے چینی سے پوچھا۔

''کیا ہوا عمیر واپس آگیا ہے ؟"

یمنہ کا اپنا دل ڈوبا تھا ---

اقبال نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایسا کرب تھا کہ یمنہ کا دل ڈوبنے لگا۔

''وہ تجھے جوئے میں ہار آیا ہے، بیٹی ''

یمنہ کو یوں محسوس ہوا جیسے اس نے اپنے باپ کی بات سنی ہی نہیں۔

وہ خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی۔

پھر بات سمجھ آنے پر اس کے لب ہلے۔

''کیا---؟''

وہ آہستہ سے چارپائی کے کنارے بیٹھ گئی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے کمرے کی دیواریں اس کے گرد سمٹنے لگی ہوں۔

"جن کے سامنے وہ تجھے ہار آیا ہے وہ اس علاقے کے بااثر لوگ ہیں۔ ان کے پاس دولت بھی ہے طاقت بھی اور اپنے ظلم کو چھپانے کے راستے بھی۔ وہ تجھے ڈھونڈ رہے ہیں۔ کسی بھی لمحے یہاں پہنچ سکتے ہیں۔''

اقبال نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

''تو بھاگ جا یمنہ خدا کے لیے، میری بات مان لے۔''

یمنہ نے سر جھٹکا۔

"تجھے چھوڑ کر کیسے بھاگ جاؤں ابا ؟---نہیں ابا میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ میں نے کیا جرم کیا ہے جو اپنا گھر چھوڑ کر بھاگوں؟ آنے دیجیے انہیں۔ میں خود بات کروں گی۔ میں ان سے پوچھوں گی کہ کس قانون نے انہیں یہ حق دیا ہے کہ وہ کسی انسان کو جوئے کی بازی میں لگا دیں''

وہ غصے سے کھڑی ہو گئی۔

"وہ بھیڑیے ہیں۔ تجھے نوچ کھائیں گے ۔تجھے اپنی آنکھوں کے سامنے برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتا"

وہ رو پڑا --

مجھے اپنی بیٹی پر غرور ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تو اس مشکل وقت میں بھی اپنا راستہ نکال لے گی-----اپنے باپ کو معاف کر دے ---میں تیری حفاظت نہیں کر سکا ۔

"میں کہاں جاؤں گی ابا ؟"

"کہیں بھی چلی جا---بس پیچھے مڑ کر مت دیکھنا ---- مجھ سے وعدہ کر، تو ہمت نہیں ہارے گی۔ تو پڑھے گی، کامیاب ہوگی اور ایک دن اس مقام پر پہنچے گی جس کا خواب ہم دونوں نے دیکھا ہے"

یمنہ سسک اٹھی۔

"میں ----وعدہ کرتی ہوں ابا---پر مجھے خود سے دور مت کریں --- میں مر جاؤں گی ابا"

اقبال نے روتی ہوئی یمنہ کو جھٹکا --

"تجھے سمجھ کیوں نہیں آرہی ---جاتی کیوں نہیں یہاں سے ---یاد رکھ اگر وہ یہاں آگئے تو میں اپنی جان لے لوں گا ---جا---یمنہ چلی جا"

اقبال نے رخ موڑ کر آنسو اپنی آستین سے صاف کیے ۔وہ اب اس پر نظر بھی نہیں ڈالنا چاہتا تھا ---وہ اسے اللہ کی امان میں دے چکا تھا ---

یمنہ خاموشی سے آنسو پیتی ---باپ پر آخری نظر ڈالتی نامعلوم منزل کی طرف نکل چکی تھی ---

محفل میں سبھی موجود تھے مگر کسی کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ سب سے زیادہ خاموش مزنہ تھی ۔

وہ سر جھکائے بیٹھی اپنی انگلیوں کو دیکھ رہی تھی۔ نہ آنکھوں میں آنسو تھے نہ چہرے پر ملال ۔ شاید کچھ دکھ ایسے ہوتے ہیں جو انسان کو ٹھیک طرح سے رونے بھی نہیں دیتے بس اندر ہی اندر خاموش کر دیتے ہیں۔

دلشاد خان اور حسن خان دونوں غصے میں بھرے بیٹھے تھے ۔حسن خان کبھی ارمان کو دیکھتا کبھی کاظمی صاحب کی طرف۔ اس کے لیے یہ سب ناقابلِ برداشت تھا ---اس کی بہن کی زندگی تباہ ہو رہی تھی ۔

"بولو کیا سلوک کروں تمہارے ساتھ کاظمی ؟"

دلشاد کی گرجتی ہوئی آواز پر زاوش نے ارمان کی طرح تاسف سے دیکھا آج اس کی وجہ سے ان کے باپ کو کتنی اذیت اٹھانی پڑ رہی تھی ۔

"تم پر بھروسہ کر کے میں نے اپنی بیٹی تمہارے حوالے کی اور بدلے میں مجھے کیا ملا ؟

کاظمی صاحب کے پاس نظریں اٹھانے کی ہمت نہیں تھی۔

"میں تمہارا مجرم ہوں دلشاد --- نہیں معلوم تھا کہ میری اپنی اولاد مجھے رسوا کرے گی"

"کیا صرف تمہاری شرمندگی سے سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا ؟پورے خاندان میں ہماری جو سبکی ہوگی

تم اس کا تصور کر سکتے ہو کاظمی ۔۔۔۔۔"

"میں سب جانتا ہوں کاظمی اور میں بہت شرمندہ بھی ہوں میں صرف تمہارا ہی نہیں بلکہ مزنا بیٹی کا بھی قصور وار ہوں ۔۔۔"

"شرمندگی سے کیا ہوگا؟ میری بیٹی کے جذبات کا کیا؟ اس کی عزت کا کیا؟ لوگ تو اب اسی کے بارے میں باتیں کریں گے۔ کوئی یہ نہیں پوچھے گا کہ قصور کس کا تھا، سب انگلی اسی پر اٹھائیں گے"

"دلشاد سب سے کہہ دینا کہ کاظمی کا بیٹا نامر تھا ۔۔"

نازیہ نے اتنی سخت بات پر تڑپ کر شوہر کو دیکھا ۔۔۔جو بھی تھا وہ اپنی اولاد کے لئے ایسے الفاظ کیسے سن سکتی تھیں ۔

"کاظمی ۔۔۔۔ تم ۔۔۔"

دلشاد خان نے کچھ کہنے کو لب کھولے ہی تھے کہ مزنہ نے انہیں روک دیا ۔۔

"بابا بس کریں ۔۔۔ انکل کا کوئی قصور نہیں ہے آپ پلیز انہیں مزید کچھ مت کہیں"

حسن خان نے گھور کر مزنہ کو دیکھا ۔۔

"مزنہ تم خاموش رہو یہ تمہارا معاملہ نہیں ہے"

"تو پھر کس کا معاملہ ہے بھائی ؟"

مزنہ نے الٹا سوال داغا ۔۔۔

"شاید اللہ نے یہی لکھا تھا ۔۔۔اور یہ سب ایسے ہی ہونا تھا ۔۔۔آپ لوگ بات کو ختم کر دیں پلیز ۔۔۔"

وہ کوئی لڑائی جھگڑا نہیں چاہتی تھی ۔۔۔

ارمان نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا ---وہ مزنہ سے اس بات کی توقع تو نہیں رکھتا تھا --- کیا اس کے ساتھ غلط بیانی ہوئی ہے ؟ یا جان بوجھ کر اسے بھٹکایا گیا ہے ----

دوسری طرف فاریہ مسلسل ارمان کو میسج کر رہی تھی ---خوف سے اسکی رنگت بدل رہی تھی --- جو جھوٹ اور فریب اس نے بولے تھے وہ سب الٹے اس پر پلٹ کر آ رہے تھے --- ارمان نے تنگ آ کر فون ہی بند کر دیا ----

"دیکھیں انکل جو کچھ ہوا وہ نہیں ہونا چاہیئے تھا مگر مجھے لگتا ہے آج کل کے دور میں بیجا روک ٹوک بھی رشتوں میں دوری کا سبب بنتی ہے"

زاوش نے دلشاد خان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب ؟؟؟ کونسی روک ٹوک ؟"

جواب دلشاد کی جگہ حسن نے دیا تھا۔

"ارمان نے بار بار مزنہ سے بات کرنی چاہی اس سے ملنے کی خواہش بھی کی مگر مزنہ کی طرف سے مثبت جواب نہیں ملا -- اور ایسا نہیں ہونا چاہیئے تھا۔"

زاوش بہت سوچ سمجھ کر بات کر رہا تھا ---اس نے مزنہ کے وجود پر قطعی کوئی بات نہیں کی تھی ۔وہ اسکا دل نہیں دکھانا چاہتا تھا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو --؟اگر ایسا ہوتا تو تم لوگ یہاں بیٹھے نہ ہوتے ----ہم نے کبھی اپنی بچیوں پر روک ٹوک نہیں کی--بتاؤ مزنہ کیا کبھی ہم نے تمہیں ارمان سے بات کرنے کے لئے روکا ؟

حسن خان جذباتی ہوتا ہوا مزنہ کے پاس آیا --

مزنہ نے اپنی گردن نفی میں ہلائی ---

"لالہ مجھے کبھی کسی کا کوئی پیغام نہیں ملا ---بلکہ مجھے یہی بتایا گیا کہ انہیں یہ سب پسند نہیں"

مزنہ کی بات پر وہاں موجود ہر شخص کو دھچکا لگا تھا، مگر سب سے زیادہ حیرت ارمان کو ہوئی۔

اس نے بے یقینی سے مزنہ کو دیکھا، پھر اس کی نگاہ فاریہ کی طرف اٹھ گئی۔ اس کے چہرے کی بدلتی رنگت نے ارمان کے دل میں کئی سوال کھڑے کر دیے۔

زاوش نے بھی دونوں کو باری باری دیکھا۔ اب وہ خود فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ حقیقت کیا ہے۔ ایک طرف ارمان دوسری طرف مزنہ دونوں کے بیانات میں واضح تضاد تھا اور ان میں سے کوئی ایک ضرور جھوٹ بول رہا تھا ---

مزنہ کی دادی بہت حد تک بات کو سمجھ چکی تھیں --انہوں نے زمانہ دیکھا تھا ---وہ کچھ دنوں سے فاریہ میں پیدا ہوتی تبدلی بھی بھانپ چکی تھیں --

انہوں نے ارمان کی طرف دیکھا۔

''ارمان بیٹا

مجھے ایک بات صاف صاف بتاؤ۔ تمہیں کس نے کہا تھا کہ مزنہ تم سے بات نہیں کرنا چاہتی؟ کیا تم نے خود اس سے بات کی تھی؟ اسے فون کیا تھا؟ یا اس نے خود تمہیں انکار کیا تھا؟''

ارمان نے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں دادی، میں نے مزنہ سے براہِ راست کبھی بات نہیں کی۔ میں نے فاریہ سے کہا تھا کہ وہ میری مزنہ سے بات کروا دے۔ مگر فاریہ نے مجھے یہی بتایا کہ مزنہ مجھ سے ملنا یا بات کرنا نہیں چاہتی۔''

"اور تم مزنہ؟"

''تمہیں کس نے بتایا تھا کہ ارمان کو تم سے بات کرنا پسند نہیں؟''

مزنہ نے فاریہ کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن تھی۔

''دادی، مجھے فاریہ نے ہی بتایا تھا کہ ارمان کو مجھ سے بات کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں۔۔ا"

دادی نے گہری سانس بھری ۔۔۔بات کافی حد تک سب کو سمجھ آ رہی تھی ۔

''فاریہ ۔۔۔"

دلشاد خان کی دھاڑ پر وہ جی جان سے کانپی تھی ۔۔۔۔

بھاگتے بھاگتے یمنہ کے پاؤں شل ہو چکے تھے۔ سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی، سینے میں دل یوں دھڑک رہا تھا جیسے ابھی پسلیاں توڑ کر باہر آ جائے گا، مگر وہ رکی نہیں۔

اسے بس تھانے پہنچنا تھا۔فرزام سکندر کے پاس۔۔۔وہ اس کی آخری امید تھا ۔۔۔

اسے یقین تھا کہ وہ اسے مایوس نہیں کرے گا۔ وہ اسے انصاف دلائے گا، اسے عمیر سے بچا لے گا۔ اس کے پاس اس وقت نہ کوئی گھر تھا، نہ کوئی محفوظ پناہ گاہ، نہ ہی کوئی ایسا شخص جس کے سامنے وہ اپنی بے بسی بیان کر سکتی۔ اس کے لیے بس ایک ہی دروازہ کھلا تھا اور وہ فرزام سکندر کا تھا۔

اس کی آنکھوں کے سامنے باپ کا زرد پڑتا چہرہ گھوم گیا۔۔۔وہ دیوانہ وار بھاگ رہی تھی ۔

ابا میں واپس آؤں گی۔ آپ کو اکیلا نہیں چھوڑوں گی۔

اس نے اپنے آنسو پونچھے اور قدموں کی رفتار مزید تیز کر دی۔مگر شاید قسمت کو اس کی یہ کوشش بھی منظور نہیں تھی۔

وہ سڑک پار کرنے کے لیے آگے بڑھی ہی تھی کہ اچانک ایک تیز رفتار گاڑی اس کی طرف بڑھی۔ یمنہ کو سنبھلنے کا موقع تک نہ ملا۔

ایک خوف ناک چیخ کے بعد گہری خاموشی ۔۔

اس کا وجود ہوا میں اچھلا اور اگلے ہی لمحے وہ سڑک پر دور جا گری۔ سر سڑک سے ٹکرایا تو کانوں میں ایک تیز سی سنسناہٹ گونج اٹھی۔ آس پاس سے لوگوں کی چیخیں بلند ہوئیں گاڑی کے بریک چرچرائے مگر یمنہ کو کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر جسم نے ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ ہونٹ ہلے جیسے کسی کو پکارنا چاہتی ہو مگر آواز حلق میں ہی دم توڑ گئی۔

اسے فرزام سکندر یاد آیا۔ مجھے تھانے پہنچنا ہے--- مجھے ابا کے پاس واپس جانا ہے---

مگر اس کی پلکیں بوجھل ہونے لگی تھیں۔

دھندلاتی نگاہوں کے پردے پر آخری منظر ابھرا تو وہ سڑک، وہ گاڑی یا آس پاس جمع ہوتے لوگ نہیں تھے۔

وہ اس کے باپ کا چہرہ تھا۔

بھاگ جا یمنہ اپنی جان بچا لے

یمنہ کی آنکھ کے کونے سے ایک آنسو پھسلا۔

ابا--- میں آپ کے پاس واپس آؤں گی۔

پھر ہر منظر سیاہی میں ڈوب گیا

اور سڑک پر پڑی یمنہ کے گرد لوگوں کا ہجوم بڑھتا چلا گیا۔

۔پرانے ڈیرے کے تاریک کمرے میں عمیر زمین پر گھٹنوں کے بل گرا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر نیل پڑ چکے تھے، ہونٹ سے خون رس رہا تھا اور جسم پر پڑنے والی چوٹوں کے باعث اس کے لیے سیدھا کھڑا ہونا بھی مشکل ہو رہا تھا۔

چودھری اپنی کرسی پر بیٹھا اسے خون آلود نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

''بتا کہاں ہے وہ لڑکی؟''

عمیر نے کانپتے ہاتھوں سے اپنا چہرہ صاف کیا۔

''چودھری صاحب، میں نے سچ کہا تھا۔ وہ گھر ہی رہتی ہے کہیں آتی جاتی نہیں۔ مجھے کیا پتا تھا کہ وہ گھر سے نکل جائے گی''

''بکواس بند کر ''

چودھری دھاڑا۔

اس کے اشارے پر ایک آدمی آگے بڑھا اور عمیر کو گریبان سے پکڑ کر کھڑا کر دیا۔ اگلے ہی لمحے ایک زور دار تھپڑ اس کے منہ پر پڑا جس سے وہ لڑکھڑا کر دوبارہ زمین پر جا گرا۔

''صاحب یہ جھوٹ بول رہا ہے''

ایک آدمی نے آگے بڑھ کر کہا۔

''ہم نے اس کے بتائے ہوئے تمام مقامات پر لڑکی کو تلاش کیا ہے۔ یونیورسٹی بھی بند ہوئے کافی وقت گزر چکا ہے، مگر وہ وہاں بھی نہیں ملی۔ اس کے گھر جا کر بھی پتا کیا ہے لڑکی وہاں بھی نہیں ہے۔''

چودھری کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

''کیا مطلب ہے کہ وہ کہیں نہیں ہے؟''

''جی صاحب ہم نے ہر جگہ تلاش کیا ہے۔ ابھی تک اس کا کوئی پتا نہیں چلا۔''

چودھری اپنی جگہ سے اٹھا اور تیز قدموں سے عمیر کے قریب آ گیا۔

''تو نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے؟''

''نہیں، چودھری صاحب خدا کی قسم، میں جھوٹ نہیں بول رہا''

عمیر نے ہاتھ جوڑ دیے۔

''وہ ہمیشہ گھر میں ہی رہتی تھی۔ میں نے کبھی اسے اس طرح کہیں جاتے نہیں دیکھا۔ مجھے جانے دیں میں اسے ڈھونڈ لاؤں گا"

چودھری نے حقارت سے اس کی طرف دیکھا۔

"مجھ سے دھوکے کا انجام جانتا ہے کیا ہے ؟"

''کان کھول کر سن لے اگر مجھے وہ لڑکی نہیں ملی تو میں تیرے پورے خاندان کو تباہ و برباد کر دوں گا۔ تیرا گھر تیری ماں تیرے بہن -- کسی کو نہیں چھوڑوں گا اور اگر تو نے مجھ سے کچھ چھپایا ہے تو اس کا انجام بھی تجھے بھگتنا پڑے گا۔''

"ایسا مت کریں۔۔۔۔"

عمیر اس کے قدموں میں گر پڑا۔

چودھری نے نفرت سے اسے دیکھا اور ایک جھٹکے سے خود سے دور کر دیا۔

''تین گھنٹے ---صرف تین گھنٹے"

اس نے انگلی اٹھا کر کہا۔

''مجھے وہ لڑکی چاہیے۔ ورنہ پھر تجھے اندازہ ہوگا کہ چودھری کی دشمنی کیا ہوتی ہے۔''

چودھری نے زور سے جوتا اس کے پیٹ میں مارا وہ دوہرا ہو کر زمین پر گرا ---نشہ ہرن ہوا تو اسے اندازہ ہوا کہ انتقام اور نفرت میں وہ کیا کر چکا ہے اور اگر یمنہ انہیں نہ ملی تو کیا قیامت اس پر برپا ہو گی ---

برائی کا راستہ اکثر ابتدا میں آسان دکھائی دیتا ہے۔ انسان اپنے مفاد، غصے یا انتقام کے لیے جب

دوسروں کے حقوق پامال کرنا شروع کر دیتا ہے تو اسے احساس نہیں ہوتا کہ وہ آہستہ آہستہ کس دلدل میں اتر رہا ہے۔ پھر ایک وقت آتا ہے جب بدنامی اس کا تعارف، ذلت اس کا مقدر اور لوگوں کی حقارت اس کا مقدرِ زندگی بن جاتی ہے۔ کیونکہ برائی کے راستے پر اٹھایا گیا ہر قدم صرف کسی دوسرے کی زندگی نہیں اجاڑتا کبھی نہ کبھی اپنے قدموں تلے کی زمین بھی کھینچ لیتا ہے۔

)لمحہ فکریہ(

۔

دلشاد خان کی دھاڑ کمرے میں گونج اٹھی۔ فاریہ کا چہرہ خوف سے زرد پڑ چکا تھا اس کے ہاتھ اس قدر کانپ رہے تھے کہ وہ خود کو سنبھالنے سے قاصر تھی۔ حسن خان نے غصے سے آگے بڑھ کر فاریہ کا بازو دبوچ لیا، اس کی آنکھوں سے انگارے برس رہے تھے۔

"سچ بولنا ورنہ گردن یہیں اتار دوں گا تمہاری۔"

فاریہ نے آنسو ضبط کرتے ہوئے مزنہ کی طرف دیکھا، جو اسی کو دیکھ رہی تھی۔

"لالہ آرام سے پلیز ہماری بہن ہے...۔"

زاوش نے مزنہ کو حیرت بھری نگاہوں سے دیکھا۔ وہ اب بھی اس بہن کی سائیڈ لے رہی تھی جس نے اس کا رشتہ خراب کیا تھا۔

"حسن خان اس کا ہاتھ چھوڑ دو۔"

دلشاد خان نے حسن خان کو تنبیہ کرتے ہوئے فاریہ کو پاس آنے کا اشارہ کیا۔ حسن نے جھٹکے سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا، اور وہ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے باپ کی طرف بڑھ گئی۔

"فاریہ خاندان کی عزت کا مطلب سمجھتی ہو نا؟؟ اگر یہ لڑکا جھوٹ بول رہا ہے تو یہ زندہ نہیں جائے

گا یہاں سے۔ میری بیٹی کی حرمت پامال کرنے کی سزا اسے ضرور ملے گی..... لیکن اگر تم نے جھوٹ بولا یا تہمت لگائی، تو اپنا انجام بھی سوچ کر رکھنا۔"

دلشاد خان کے سرد لہجے میں دی گئی دھمکی پر فاریہ جی جان سے کانپ اٹھی۔ وہ اپنے ابا اور بھائی کے جلال سے خوب واقف تھی۔ ارمان کا حلق بھی خشک ہو رہا تھا۔ دلشاد خان کی کھوپڑی کتنی الٹی تھی، اس بات سے وہ بھی خوب واقف تھا۔ وہ اس وقت جتنا خاموش نظر آ رہا تھا، اندر سے اتنا ہی تپا ہوا تھا۔

"ابا..... جی..... وہ سب جھ..... جھوٹ ہے میں نے کچھ نہیں کیا۔ میں نے تو بس ایک بار ارمان بھائی سے مذاق کیا تھا مزنہ میری بہن ہے میں ایسا کیوں کروں گی بھلا ؟"

وہ اٹکتے ہوئے بولی۔

''بھائی؟''

ارمان کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔

''اس نے آج تک مجھے بھائی نہیں کہا۔ ہمیشہ ارمان ہی پکارتی آئی ہے۔ اور جھوٹا میں نہیں، یہ ہے،یہ دیکھیں یہ پانچ منٹ پہلے کے پیغامات ہیں نمبر دیکھ لیں فاریہ کا ہی ہے۔"

ارمان نے اپنا موبائل نکال کر حسن کی طرف بڑھا دیا۔

حسن نے پہلے نمبر چیک کیا، وہ فاریہ کا ہی تھا..... اور اس نمبر سے کیے گئے سارے پیغامات سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ فاریہ نے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔

حسن نے گہرا سانس لیا اور فاریہ پر ایک تباہ کن نظر ڈالی۔

"ڈیلیٹ کرو انہیں ابھی"

حسن خان نے موبائل دوبارہ ارمان کی طرف بڑھا دیا۔

"بے شرم لڑکی! اپنی گھٹیا حرکتوں سے تو نے پورے خاندان کی ناک کٹوا دی۔..... کہاں کمی تھی ہماری طرف سے، بولو؟؟ اپنی بڑی بہن کے ساتھ یہ سب کرتے ہوئے شرم نہیں آئی؟"

حسن کی آواز بلند ہو گئی۔

فاریہ خوف سے لرزتے ہوئے اپنے باپ کے پیچھے چھپنے کی کوشش کرنے لگی اور کاظمی صاحب شرمندگی سے زمین میں گڑے جا رہے تھے۔ وہ ہمت کر کے آگے بڑھے۔

"حسن خان تمہیں بچی سے جو بھی بازپرس کرنی ہے تم ہمارے جانے کے بعد کرنا۔ یہ تم لوگوں کے گھر کا بہت ذاتی مسئلہ ہے۔"

کاظمی صاحب نہیں چاہتے تھے کہ بات زیادہ بڑھے..... وہ اصل بات کرنا چاہتے تھے جس کے لیے وہ یہاں آئے تھے۔

"ذاتی مسئلہ؟؟ آپ کا بیٹا برابر کا شریک ہے..... ٹھیک ہے فاریہ نے جھوٹ بولا..... مگر یہ حضرت کس خوشی میں اس کے جھوٹ شوق سے سنتے رہے؟؟ کیوں اسے بڑھاوا دیا؟؟ سمجھا دیتا، ڈراتا یا ڈانٹ کر اسے وارننگ دیتا، مگر اس سے باتیں تو یہ بھی کرتا رہا ہے"

حسن خان کا خون ابل رہا تھا۔ دلشاد خان کی وجہ سے خاموش تھا، ورنہ ارمان کو پیٹنے کا شدید طوفان اس کے دل میں مچل رہا تھا۔

"میں اس کی ہر غلطی تسلیم کرتا ہوں بیٹا ---معافی مانگنے کے علاوہ میں اور کچھ نہیں کر سکتا"

کاظمی صاحب نے اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی --

"مزنہ! فاریہ کو اندر لے جاؤ، اس سے بعد میں بات ہوگی۔"

دلشاد خان نے مزنہ کو حکم دیا جسے وہ سر جھکا کر مان گئی۔ وہ دونوں بہنیں محفل چھوڑ کر جا چکی تھیں ۔

"میرے خیال میں ہم بات یہیں ختم کر دیں..... بچے ہیں، غلطی ہو گئی، اب ہم سب کو سمجھداری سے کام لینا چاہیے۔ ہم بڑے ہیں..... اور ہمیں شفقت دکھانی چاہیے۔"

کاظمی صاحب اصل بات کی طرف آئے۔

"شفقت؟؟ تم ایسے باپ سے شفقت کی امید رکھے بیٹھے ہو جس کی بیٹی کا رشتہ شادی سے چند دن پہلے ہی ٹوٹ رہا ہے۔"

دلشاد خان ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولا۔

"نہ بیٹی کی شادی ٹوٹے گی اور نہ ہی کسی بیٹی کے باپ کا سر جھکے گا۔"

کاظمی صاحب اٹھ کر دلشاد کے قریب ہوئے۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ ہے میرے دوست کہ میں مزنہ کو اپنے بڑے بیٹے کے لیے مانگنا چاہتا ہوں..... ماشاءاللہ چھوٹے سے زیادہ سمجھدار اور سیٹلڈ ہے۔ مزنہ کو بہت خوش رکھے گا۔"

وہ دلشاد خان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے بولے، جسے دلشاد خان نے جھٹک دیا۔

"میری بیٹی تمہیں کھلونا نظر آتی ہے؟ کبھی چھوٹے کے ساتھ تو کبھی بڑے کے ساتھ؟"

"دلشاد خان جذباتی مت بنو..... مزنہ میری بھی بیٹی ہے اور میں اسے اپنے ہی گھر میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور پھر صرف منگنی ہی تو تھی، کون سا نکاح ہوا تھا.....؟ میری درخواست ہے، اس بارے میں سوچو۔"

"انکل آپ ایک بچے کے باپ سے میری بہن کو بیاہ کر لے جانا چاہتے ہیں، ہوش میں تو ہیں آپ؟"

حسن خان کو یہ گفتگو ایک پل بھی نہ بھاتی تھی۔

کاظمی صاحب کا لہجہ اس جوشیلے کے سامنے بالکل دھیمہ اور سنجیدہ تھا۔

"وہ بچہ زاوش کے دوست کا ہے حسن اور تمہارا باپ سب جانتا ہے، میں نے اس سے کبھی کچھ نہیں چھپایا۔"

"کاظمی..... اب تیری اولاد پر بھروسہ نہیں رہا مجھے۔"

دلشاد خان نے بوجھل اور بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"رب پر تو بھروسہ ہے نا؟"

کاظمی صاحب نے دل پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"اسی رب کے بھروسے تو تجھے بیٹی دی تھی اپنی۔"

"اور میں اسے اپنی ہی بیٹی مانتا ہوں دلشاد تبھی تو اسے اپنے گھر کی عزت اور رونق بنانا چاہتا ہوں۔"

"نہیں اب نہیں ..... اب کیسے بھروسہ کر لوں میں؟"

"جیسے پہلے کرتا آیا تھا۔"

"پہلے تو تو ایسا دھوکے باز نہیں تھا"

کاظمی صاحب کی آنکھوں میں دکھ کی پرچھائیاں لہرائیں۔

"اب بھی نہیں ہوں..... بس میری اولاد نے مجھے اپنوں کے سامنے ذلیل کروا دیا ہے۔"

ان دونوں کے درمیان ہوتی گفتگو میں دادی نے مداخلت کی۔

"دلشاد سوچ لے بیٹا، ایک بار رشتہ ٹوٹ گیا نا، تو اس بچی کی ذات پر داغ لگ جائے گا۔ لوگ سچ نہیں دیکھتے، بس باتیں بناتے ہیں۔ جذبات میں آ کر فیصلہ مت کر۔"

دلشاد نے بے بسی سے ماں کی طرف دیکھا۔

"مگر اماں..... مزنہ نہیں مانے گی۔ وہ اس رشتے کو کبھی قبول نہیں کرے گی۔"

ماں نے تسلی دیتے ہوئے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھا۔

''بیٹا، سچ کڑوا ہی نہیں، کبھی کبھی بہت سفاک بھی ہوتا ہے۔ مگر اسے قبول کیے بغیر آگے نہیں بڑھا جا سکتا، رہی بات مزنہ کی وہ تو بڑی فرمابردار بچی ہے اس سے ضرور پوچھو مجھے یقین ہے تمہیں انکار نہیں کرے گی ۔ ۔"

"اماں یہ اس کے ساتھ زیادتی ہے زبردستی ہے"

"زیادتی تو اس گھر میں ہوئی ہے اس کے ساتھ مگر جتنا قصور فاریہ کا ہے اتنا ہی ارمان کا بھی ہے یہ کیوں کانوں کا کچا نکلا ۔۔۔ رب کو شاید یہی منظور تھا"

"میرا دل نہیں مان رہا میں اپنی بیٹی نا قدروں میں نہیں دے سکتا"

"بیٹا اگر ناقدرے ہوتے تو انکار کے بعد پیٹھ دکھا کر چلا جاتا تیرا دوست مگر وہ بیٹھا ہے اور تیری ہر مان رہا ہے خاندان والوں کا سوچ خاندان والے سو باتیں کریں گے، کس کس کا منہ بند کریں گے ؟"

ماں کی باتیں دلشاد کو تو سمجھ آ رہی تھیں مگر حسن جوان خون تھا، اس اتھرے کی سمجھ بوجھ دور تک کام نہیں کر رہی تھی۔

"دادی یہ کیسے ممکن ہے ؟ کارڈ میں ارمان کا نام چھپ گیا ہے"

"ہاں تو نام ہی چھپا ہے، کون سا تصویر بھی چھپوا لی ہے تو نے ؟ اب کسی کو کیا پتہ ارمان کیسا دکھتا ہے"

دادی کی بات پر نازیہ بھی مطمئن نظر آرہی تھیں ۔

دلشاد نے ایک گہری سانس لی، اس کی آنکھیں حتمی فیصلے سے لبریز ہو گئیں۔ دلشاد نے کاظمی صاحب کی طرف دیکھا اور پختہ لہجے میں بولا۔

"ٹھیک ہے ..... لیکن اگر یہی بات ہے تو نکاح ابھی کے ابھی ہوگا۔ اب مجھے مزید انتظار یا کسی وعدے پر اعتبار نہیں۔ اور..... حق مہر میں مزنہ کی مرضی کا رکھاؤں گا جو وہ مانگے گی وہی دینا پڑے

گا۔۔۔بولو تمہیں منظور ہے ؟"

دلشاد نے براہ راست زاوش سے پوچھا نازیہ اور ارمان دلشاد خان کی شرط پر ساکت رہ گئے۔ مگر کاظمی صاحب پرسکون سے بیٹھے شکر ادا کر رہے تھے کہ آخرکار ان کی بات دلشاد کو سمجھ آ رہی تھی۔

زاوش اب تک خاموشی سے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ دلشاد خان کی شرط سن کر اس نے نظریں اٹھائیں۔ اس کے چہرے پر کوئی تذبذب نہیں تھا۔

''جی، مجھے منظور ہے۔''

تقریباً چار گھنٹے بعد یمنہ کو ہوش آیا تھا۔

پلکیں بوجھل تھیں، سر میں اٹھنے والی شدید ٹیس اس کے پورے وجود کو جھنجھوڑ رہی تھی۔ اس نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی تو سفید چھت اور تیز روشنی نگاہوں کے سامنے پھیل گئی۔ چند لمحے وہ خالی نظروں سے چھت کو دیکھتی رہی، پھر آہستہ سے سر حرکت دینے کی کوشش کی۔

''آہ۔۔۔''

درد کی ایک شدید لہر اس کے سر سے اٹھ کر پورے جسم میں پھیل گئی۔

''ارے بیٹا آرام سے، سر مت ہلانا۔''

قریب ہی بیٹھے ایک درمیانی عمر کے شخص نے اسے روک دیا۔

یمنہ نے بمشکل گردن موڑ کر دیکھا۔ اس کے بستر کے پاس ایک خاتون کھڑی تھیں۔ چہرے پر شفقت اور آنکھوں میں اپنائیت لیے وہ اسے دیکھ رہی تھیں۔

''شکر ہے بیٹا تمہیں ہوش آ گیا۔ ہم تو بہت پریشان ہو گئے تھے۔''

یمنہ نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

''میں--- کہاں ہوں؟''

''ہسپتال میں ہو بیٹا۔ تمہارا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ ہم تمہیں سڑک پر زخمی حالت میں دیکھ کر یہاں لے آئے تھے۔ تمہارے سر پر کافی گہری چوٹ آئی ہے۔ ڈاکٹر کہہ رہے تھے کہ کچھ دیر اور بے ہوش رہ سکتی ہو۔ اللہ کا شکر ہے تمہیں جلدی ہوش آ گیا۔''

خاتون نے محبت سے اس کے ماتھے پر ہاتھ پھیرا۔

''بیٹا، اب یہ بتاؤ تمہارے گھر والے کون ہیں؟ کسی کا نمبر یاد ہے؟ ہم انہیں اطلاع کر دیتے ہیں۔ چار گھنٹے سے تم بے ہوش تھیں، تمہارے گھر والے بھی پریشان ہو رہے ہوں گے۔''

گھر والے---؟

یمنہ کی آنکھوں میں یکایک نمی اتر آئی۔

وہ کس کو بلاتی؟--بے بس باپ کو؟؟

کسے بتاتی کہ اس کا کوئی گھر نہیں جہاں وہ لوٹ سکے۔ باپ تھا تو وہ خود اسے اپنی جان بچانے کے لیے گھر سے رخصت کر آیا تھا۔ وہ باپ جس کی بیمار طبیعت اور بے بس آنکھیں اور کانپتے ہونٹ اس کے ذہن سے ایک لمحے کے لیے بھی محو نہیں ہو رہے تھے۔

سارا تھی--- مگر وہ اتنی چھوٹی سی بچی کیا کر سکتی تھی؟

اور صفیہ کا خیال آتے ہی یمنہ کے دل میں ایک سرد سی لہر دوڑ گئی--- وہ تو عمیر کی حمایتی تھیں اس دنیا میں اس کا اپنا کون تھا؟ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ کسی ایسی جگہ آن پہنچی ہو جہاں دروازے کھلے ہیں، مگر اس کے لیے کوئی راستہ نہیں۔

''بیٹا؟''

خاتون نے اس کی خاموشی دیکھ کر دوبارہ پکارا۔

''کیا ہوا؟ کچھ بتاؤ گی نہیں؟''

یمنہ کی آنکھ سے ایک آنسو ڈھلک کر تکیے میں جذب ہو گیا۔

''میرا--- کوئی نہیں ہے یہاں۔''

اس کی مدھم آواز سن کر دونوں میاں بیوی نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

''ایسے کیسے کوئی نہیں ہے، بیٹا؟ کوئی تو ہوگا جسے تم اپنا سمجھتی ہو۔ کوئی رشتہ دار، کوئی جاننے والا؟''

یمنہ نے آنکھیں بند کر لیں۔

تبھی اچانک اسے ایک چہرہ یاد آیا۔

"فرزام سکندر"

وہی شخص جس کے سامنے اس نے اپنی بے بسی بیان کی تھی۔ جس سے اس نے مدد مانگی تھی۔

جس کے الفاظ میں اسے پہلی بار یہ احساس ہوا تھا کہ شاید قانون کے اس محافظ کے سامنے اس کی بات کی بھی کوئی اہمیت ہے۔

اس نے آنکھیں کھول دیں۔

''فرزام سکندر کو بلوا دیں پلیز"

دونوں چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

''بیٹا کون ہے یہ ؟اور تمہارا کیا لگتا ہے؟ اس کا فون نمبر دو"

وہ کچھ دیر خاموشی سے اپنے لب چباتی رہی --اب نمبر کہاں سے لاتی --اس کے پاس تو تھا ہی نہیں ----اس نے جلد بازی میں اٹھنے کی کوشش کی تو شدید چکر کی لہر میں آتی اپنا سر دوبارہ تکیے پر گرا گئی ---

"ارے ---ارے آرام سے بیٹا تمہاری چوٹ بہت گہری ہے تمہیں آرام کی ضرورت ہے"

"مجھے تھانے جانا ہے--- فرزام سکندر کے پاس---پلیز مجھے لے جایئں"

اس نے اٹھنے کی دوبارہ کوشش کی، مگر سر کی چوٹ نے اسے دوبارہ تکیے پر گرا دیا۔

''ابھی کہاں جاؤ گی؟ تمہاری حالت دیکھی ہے؟''

خاتون نے اسے سہارا دیتے ہوئے کہا۔

''مجھے ان سے ملنا ہے وہ مجھے جانتے ہیں۔ انہوں نے میری بات سنی تھی۔ مجھے ان کے پاس پہنچنا ہے۔''

"بیٹا تمہارا کیا لگتا ہے ؟"

اس خاتون کے سوال پر یمنہ ہوسپٹل کی چھت کو گھورتے ہوئے بولی ۔

"مجھے نہیں معلوم وہ میرا کون ہے مگر اس وقت پوری دنیا میں وہی اپنا لگ رہا ہے"

''بیٹا، ہمیں تو معلوم بھی نہیں کہ وہ کہاں رہتے ہیں۔ اتنی رات گئے ان کے گھر کیسے پہنچیں گے؟ تم پہلے آرام کرو، خود کو سنبھالو، پھر کسی سے رابطہ کروا دیں گے۔''

یمنہ نے بے بسی سے ان کی طرف دیکھا۔

''آپ تھانے فون کر دیں پلیز ،وہ وہاں کے ایس ایچ او ہیں ۔تھانے والوں کے پاس ان کا نمبر ہوگا،وہ مجھے ڈھونڈ لیں گے، شاید انہیں پتا ہو کہ میرے ساتھ کیا ہوا ہے۔''

اس کی آواز لرزنے لگی تھی۔

''بیٹی، تم پریشان مت ہو،ہم کوشش کرتے ہیں۔''

''پلیز آنٹی''

یمنہ نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

''آپ بس ایک بار کال ملا دیں۔ مجھے ان سے بات کرنی ہے۔ مجھے ان کے پاس جانا ہے۔ میرے پاس کوئی نہیں ہے--- وہ شاید میری مدد کر دیں۔''

خاتون نے اس کے ہاتھ پر اپنا دوسرا ہاتھ رکھ دیا۔

''اچھا بیٹا، تم فکر مت کرو۔ میں ابھی فون کرتی ہوں۔''

یمنہ نے آنکھیں بند کر لیں۔

اس کے سر میں درد کی شدت بڑھ رہی تھی، مگر اس وقت اسے اپنے زخموں سے زیادہ ایک ہی فکر کھائے جا رہی تھی۔اس کا باپ جانے کس حال میں ہو گا ۔دوا کھائی ہو گی یا نہیں ۔اسے بس فرزام سکندر تک پہنچنا تھا۔شاید اس اندھیرے میں وہی ایک شخص تھا جس سے اسے روشنی کی امید تھی۔وہی شخص جس کے سامنے اس نے اپنی بے بسی بیان کی تھی اور مدد مانگی تھی۔ جس کے مختصر سے الفاظ نے پہلی بار اسے یہ احساس دلایا تھا کہ شاید قانون کے اس محافظ کے سامنے اس کی بات کی بھی کوئی اہمیت ہے۔

فرزام سکندر اپنے کمرے میں گہری نیند سو رہا تھا۔ دن بھر کی مصروفیت اور تھانے کے کاموں نے اسے بری طرح تھکا دیا تھا۔ کمرے میں جلتے مدھم لیمپ اس کے پُرسکون چہرے پر ہلکی سی روشنی ڈال رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

''فرزام بابا---''

چند لمحے بعد دوبارہ آواز آئی۔

''فرزام بابا''

بابا کریم کی آواز سن کر اس نے کروٹ بدلی، پھر ناگواری سے آنکھیں کھولیں۔

''کیا بات ہے کریم بابا؟''

''فرزام بابا ذرا اٹھیں۔''

فرزام نے آنکھیں پوری کھولیں اور تکیے سے سر اٹھایا۔

''خیریت تو ہے؟''

کریم بابا دروازے کے پاس کھڑے تھے۔

''جی تھانے سے کال آئی تھی، کہہ رہے تھے آپ سے کوئی ضروری بات کرنی ہے۔''

فرزام نے بےاختیار سائیڈ ٹیبل پر رکھی گھڑی کی طرف دیکھا۔

رات کے اس پہر؟

اس نے ناگواری سے سانس خارج کی۔

''اس وقت کیا بات کرنی ہے انہیں؟''

وہ چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔

''اچھا آپ جائیں میں دیکھتا ہوں۔''

کریم بابا کے باہر نکلتے ہی اس نے گردن پر ہاتھ پھیرا اور تھکے ہوئے انداز میں آنکھیں مسلیں۔ پھر بستر سے اتر کر واش روم کی طرف بڑھ گیا۔ چہرے پر پانی کے چند چھینٹے مار کر نیند کا غلبہ کم کیا اور واپس آ کر فون اٹھایا۔

تھانے کا نمبر ملتے ہی دوسری طرف سے کال جلد موصول کر لی گئی۔

''بولو۔ آدھی رات کو کون سی آفت آ پڑی ہے جو مجھے نیند سے اٹھانا پڑا؟''

''سر، آفت نہیں--- لڑکی ہے۔''

فرزام کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

''کیا بکواس کر رہے ہو؟ کون لڑکی؟''

''سر، سٹی ہسپتال سے فون آیا ہے۔ ایک لڑکی کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ وہ خود کو آپ کی رشتہ دار بتا رہی ہے اور آپ سے ملنا چاہتی ہے۔''

فرزام چند لمحے خاموش رہا پھر اس کے لہجے میں ناگواری در آئی۔

''کیا حماقت ہے یہ؟ میرا کوئی رشتہ دار نہیں ہے۔ کس کو مجھ سے منسوب کر رہے ہو تم لوگ؟''

''سر ہم نے بھی یہی کہا تھا مگر وہ لڑکی مسلسل آپ کا نام لے رہی ہے۔ کہہ رہی ہے کہ اسے فرزام سکندر سے ملنا ہے۔''

''جاؤ جا کر دیکھو کون ہے وہ --''

اس نے اپنی پیشانی مسلی۔

فرزام نے بے زاری سے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔

''سر، میں نے ہسپتال والوں سے بات کی تھی۔ وہ کہہ رہے تھے کہ لڑکی کسی کو سڑک پر زخمی حالت میں ملی تھی۔ اب وہ کچھ نہیں بتا رہی، بس ایک ہی بات کہہ رہی ہے کہ اسے فرزام سکندر سے ملنا ہے۔''

''اچھا، ٹھیک ہے۔ جس نمبر سے کال آئی تھی، وہ مجھے فارورڈ کر دو۔''

اس بار اس کے لہجے میں پہلے جیسی بے زاری نہیں تھی۔

''سر، آپ کہیں تو گاڑی بھجوا دوں؟''

''نہیں۔ میں اپنی گاڑی پر جاؤں گا۔''

فون بند کرنے کے بعد وہ چند لمحے خاموش کھڑا رہا۔ وہ لڑکی آخر کون تھی؟ اس کے ذہن میں کوئی ایسا

رشتہ دار نہیں آ رہا تھا جو آدھی رات کو اسے ہسپتال بلاتا۔

پھر بھی اس نے گاڑی کی چابیاں اٹھا لیں۔



فرزام سکندر کی گاڑی ہسپتال کے دروازے کے سامنے آ کر رکی۔

اس نے گاڑی بند کی مگر چند لمحے وہیں بیٹھا رہا۔ نیند پوری نہ ہونے کے باعث آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ سیاہ شلوار سوٹ پر سیاہ شال کندھوں کے گرد لپٹی ہوئی تھی۔ چہرے پر انتہا کا رعب تھا کہ دیکھنے والا آنکھوں کی سرخی سے ہی ڈر جائے مگر وہ اندر سے اتنا ہی شانت اور نرم تھا۔۔

فرزام گاڑی سے اترا اور شال کو کندھے پر درست کرتے ہوئے ہسپتال کے اندر داخل ہوا۔ سٹی ہاسپٹل کا سارا عملہ سکندر کو جانتا تھا اسے دیکھتے ہی سب الرٹ گئے ۔۔۔ ہاسپٹل میں افراتفری سی مچ گئی تھی ۔۔۔۔ فرزام سکندر کو پورا پروٹوکول مل رہا تھا ۔

وہ سیدھا کاؤنٹر کے سامنے جا رکا۔

''وہ لڑکی کہاں ہے جس نے مجھے بلایا ہے؟''

استقبالیہ پر موجود خاتون نے تفصیلات چیک کیں۔

''سر، ایمرجنسی سے انہیں وارڈ میں منتقل کیا گیا ہے۔ سر پر چوٹ آئی تھی۔ اب ہوش میں ہیں لیکن ڈاکٹر نے انہیں آرام کا کہا ہے۔''

''کس وارڈ میں؟''

''سر کمرہ نمبر بارہ۔''

وہ مزید کچھ کہے بغیر آگے بڑھ گیا۔

راہداری کے آخری حصے میں پہنچ کر اس نے کمرہ نمبر بارہ کے دروازے پر ہاتھ رکھا۔ اندر سے ہلکی سی آواز سنائی دی تو وہ دروازہ کھول کر داخل ہوا۔

کمرے میں مدھم روشنی تھی۔

بستر پر ایک لڑکی نیم دراز تھی۔ سر پر سفید پٹی بندھی ہوئی تھی، چہرہ زرد پڑا تھا اور آنکھوں کے نیچے تھکن کے گہرے سائے تھے۔ ہاتھ میں ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ وہ دروازے کی آواز پر متوجہ ہوئی۔

فرزام کو دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں بے یقینی ابھری۔

''فرزام سکندر؟''

''فرزام کو دیکھتے ہی یمنہ کے چہرے پر ایسی خوشی ابھری جیسے کسی بھٹکے ہوئے مسافر کو اچانک راستہ مل گیا ہو۔''

فرزام دروازے کے پاس ہی رک گیا۔ اس نے اس لڑکی کو پہچان لیا تھا ۔۔اس نے لڑکی کو بغور دیکھا۔ چہرہ زخموں اور تھکن سے نڈھال تھا۔

وہ دونوں میاں بیوی رسمی سلام دعا کے بعد اجازت چاہتے تھے مگر فرزام نے روک لیا ۔

"آپ لوگ چلے جائیں گے تو اسے کون دیکھے گا ؟"

"سر ہم کتنے گھنٹوں سے اس بچی کی ڈیوٹی دے رہے ہیں یہ تو ہمیں سڑک پر ملی تھی زخمی حالت میں انسانیت کے ناطے ترس کھا کر ہم اسے یہاں لے آئے"

فرزام نے ان کی پوری بات سن کر گہری سانس خارج کی اور ان دونوں کو وہاں سے جانے کی اجازت دے دی ۔

فرزام قدم بڑھاتا ہوا اس کی طرف آرہا تھا ۔

"گھر والے کہاں ہیں تمہارے ؟"

فرزام نے اس کے سر پر بندھی چوٹ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"میرا کوئی نہیں ہے بس ایک باپ ہی ہے"

اس نے اٹھنا چاہا مگر فرزام نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

''تم نے مجھے بلایا تھا؟''

''جی---''

"کیوں ؟"

"کیونکہ آپ کے علاوہ میرے پاس کوئی دوسرا آپشن نہیں تھا"

''کیا ہوا ہے تمہیں؟''

"ایکسیڈنٹ "

"وہ تو مجھے بھی نظر آرہا ہے مگر کیسے ہوا ؟"

"میں آپ کے پاس بھاگتی ہوئی آرہی تھی"

فرزام سکندر نے اپنی آنکھیں چھوٹی کر کے اس لڑکی کو بغور دیکھا۔

"تم چل کر بھی آسکتی تھیں بھاگنا ضروری تھا ؟"

فرزام کی بات پر یمنہ کا منہ بنا جسے وہ نظر انداز کر گیا۔

"تم وہی ہو جس کی جوتی ٹوٹی تھی ؟"

یمنہ حیرت سے اسے دیکھتی رہ گئی --اس پولیس والے کو اس کی ٹوٹی جوتی یاد تھی بس --- اسے تھانے والا واقع کیوں نہیں یاد۔؟

"میں تھانے بھی آئی تھی عمیر کو آپ نے جیل میں رکھا تھا مجھ سے گواہی لی تھی ---اور کہا تھا کہ اگر یہ دوبارہ تنگ کرے تو میں آپ کے پاس آ جاؤں"

یمنہ اس کے سرد تاثرات دیکھ کر جلدی سے اس کا وعدہ یاد دلانے لگی ۔

"یاد ہے"

وہ بس اتنا ہی بولا ۔

یمنہ کے ماتھے پر بل پڑے تھے اس کے اتنے مختصر سے جواب پر ۔

"آپ کو برا لگا میرا بلانا ؟"

یمنہ نے دوبارہ اس کی طرف دیکھ کر پوچھا جو بلکل

سپاٹ چہرہ لئے جانے کہاں گم تھا --

"ہاں وعدہ رپورٹ لکھوانے کا تھا ہسپتال میں عیادت کا نہیں"

یمنہ کو حیرت ہوئی یہ بندہ کتنا بے مروت اور سنگ دل ہے ۔

"میں --کسی کو نہیں جانتی میرا کوئی نہیں اس لئے آپ کو بلا لیا ---میں ---"

ابھی اس کی بات جاری تھی کہ فرزام اسے بیچ ہی میں روک گیا ---لمبی بات اسے پسند نہیں تھی ۔

''رپورٹ لکھوانا چاہتی ہو؟''

''نہیں۔''

اس نے انکار کیا ۔

''میں ملزم کو اس کے کیفرِ کردار تک پہنچانا چاہتی ہوں۔''

فرزام کی نگاہ اس پر ٹھہر گئی۔

''تو پہلے مجھے بتانا ہوگا عمیر نے کیا کیا ہے۔''

یمنہ کے لب بھنچ گئے۔ اس کے لیے وہ سب دہرانا آسان نہیں تھا، مگر اب خاموش رہنے کا مطلب

خود کو دوبارہ اسی اندھیرے میں دھکیلنا تھا۔

''اس نے مجھے جوئے میں ہار دیا ہے۔''

"کیا مطلب ؟"

''وہ۔۔۔ مجھے کسی وڈیرے کے سامنے داؤ پر لگا بیٹھا۔'

یمنہ نے بے بسی سے آنکھیں بند کر لیں۔

''ایسے واقعات اس کے لیے نئے نہیں تھے۔ روزمرہ کے فرائض میں وہ کئی بار ایسے لوگوں سے ملتا تھا جن کی زندگی کسی دوسرے کے ظلم نے اجیرن کر دی تھی۔ مگر یمنہ کی بات میں بے بسی تھی جسے وہ نظرانداز نہیں کر سکتا تھا۔''

''تمہارے ابا کہاں ہیں؟''

''گھر پر۔''

''اور وہ وڈیرہ؟''

''مجھے نہیں معلوم۔''

''نام؟''

یمنہ نے نفی میں سر ہلایا۔

''مجھے نہیں معلوم وہ کون تھا۔ میں بس۔۔۔ اپنے ابا کو وہاں اکیلا چھوڑ آئی ہوں۔''

فرزام نے مختصر سا سر ہلایا۔

''ٹھیک ہے۔''

یمنہ اسے دیکھتی رہ گئی۔

''بس؟''

''کیا بس ؟"

فرزام نے ایسے پوچھا جیسے پوچھنا چاہتا ہو کہ کوئی اور بات بھی ہے ۔

''آپ کچھ کریں گے بھی؟''

یمنہ اس کی طرف سے امید کی طلبگار تھی --

فرزام نے اس کی طرف دیکھا۔

''کروں گا۔''

مختصر سا جواب تھا -- یمنہ پوچھنا چاہتی تھی کب کیسے کیا مگر وہ کیسے پوچھتی مقابل بڑا سست تھا ۔

"مجھے میرے ابا کے پاس لے جائیں"

ایک التجا کی گئی --

"تمہاری حالت ہے ؟"

مذاق اڑایا گیا ۔

"میری فکر نہ کریں میں چل لوں گی آپ کی بہت مہربانی ہو گی آپ بس میری جان اس وڈیرے سے چھڑوا دیں---پلیز"

"مجھے ڈاکٹر سے پوچھ لینے دو"

یمنہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''آپ واقعی مجھے لے جا رہے ہیں؟''

''ہاں۔''

''اور وہ وڈیرہ؟''

''اسے بھی ڈھونڈ لیں گے۔''

یمنہ نے بے اختیار پوچھا۔

''آپ کو ڈر نہیں لگتا؟''

فرزام نے فون جیب میں رکھا۔

''کس بات کا؟''

''وہ طاقتور ہے۔''

''خاموش رہو لڑکی''

وہ اسے پل میں ٹوکتا ہوا لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا --- یمنہ گہری سانس بھرتی ہوئی خاموش ہوئی ۔وہ اب اس کی طرف سے مدد کی منتظر تھی ۔

ہسپتال کے کمرے سے نکلنے کے بعد فرزام نے ڈاکٹر سے یمنہ کو گھر لے جانے کی اجازت لے لی تھی۔ ڈاکٹر نے چند ضروری ہدایات دیں اور اسے زیادہ چلنے پھرنے سے منع کیا، مگر یمنہ کی اپنے باپ تک پہنچنے کی ضد کے آگے فرزام نے بھی مزید بحث نہیں کی۔

کچھ دیر بعد ہسپتال کے پورچ میں سیاہ گاڑی آ کر رکی۔

فرزام نے پچھلا دروازہ کھولا۔

''بیٹھو۔''

یمنہ نے خود کو سنبھالا پھر آہستہ سے گاڑی میں بیٹھ گئی۔ سر پر بندھی پٹی کے نیچے درد کی ایک لہر اٹھی تو اس نے بےاختیار آنکھیں میچ لیں۔

فرزام نے دروازہ بند کیا اور ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا۔

گاڑی اسٹارٹ ہوئی تو ہسپتال کی روشنیاں پیچھے رہ گئیں۔ رات کی سڑکیں خاموش تھیں۔ کہیں کہیں کسی دکان کے باہر جلتا بلب یا کسی چوک پر کھڑا ٹریفک سگنل اندھیرے میں روشنی کا چھوٹا سا دائرہ بنا

رہا تھا۔

فرزام کی نظریں سڑک پر جمی تھیں۔

پچھلی نشست پر بیٹھی یمنہ نے کھڑکی سے باہر دیکھنے کی کوشش کی، مگر دھندلی روشنیوں کے درمیان اسے بار بار اپنے باپ کا چہرہ دکھائی دینے لگا۔

اس نے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں صاف کیں، مگر آنسو جیسے رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔

ایک آنسو گال پر لڑھکا تو اس نے جلدی سے چہرہ دوسری طرف کر لیا۔

فرزام نے سامنے لگے ریئر ویو مرر میں نگاہ اٹھائی۔

پچھلی نشست پر بیٹھی لڑکی کا چہرہ شیشے میں دکھائی دیا۔

وہ خاموشی سے رو رہی تھی۔

فرزام کی نگاہ چند لمحے آئینے میں ٹھہری، پھر دوبارہ سڑک پر جم گئی۔

وہ اسے تسلی دینے کے لیے کوئی خوب صورت جملہ نہیں ڈھونڈ سکا۔

ایسے وقت میں لفظ اکثر بے معنی ہو جاتے ہیں۔

چند لمحے گاڑی میں خاموشی رہی۔ پھر اس کی دبی دبی سسکی سنائی دی۔

فرزام نے ایک ہاتھ اسٹیئرنگ پر مضبوط کیا۔ اس کی پیشانی پر ہلکی سی شکن ابھری۔ وہ جانتا تھا کہ یہ لڑکی صرف اپنے زخموں کی وجہ سے نہیں رو رہی تھی۔

اس نے مرر میں ایک بار پھر دیکھا۔

''یمنہ۔''

اپنا نام اس کے منہ سے سن کر وہ چونکی۔

''جی؟''

''سر پیچھے ٹکا کر بیٹھو۔ ڈاکٹر نے آرام کا کہا ہے۔''

یمنہ نے خاموشی سے سر سیٹ کے ساتھ ٹکا لیا۔

فرزام نے گاڑی کی رفتار مزید ہلکی کر دی۔

باہر رات اپنی تاریکی میں پھیلتی جا رہی تھی، مگر یمنہ کے دل میں پہلی بار ایک ننھی سی امید نے آنکھ کھولی تھی۔

سامنے بیٹھا شخص کم گو تھا، اس کے لہجے میں نرمی کم تھی، اور وہ تسلی دینے کے لیے لمبی باتیں بھی نہیں کرتا تھا،اس کا کچھ بھی نہیں لگتا تھا مگر ۔۔

"اس وقت پوری دنیا میں وہی اپنا لگ رہا ہے"

نئے گھر میں آئے آبانہ حیدر کو کئی گھنٹے گزر چکے تھے، مگر اس کا دل اب تک وہیں اٹکا ہوا تھا جہاں اس کا شوہر تھا۔

کمرہ خاموش تھا۔ کھڑکی کے پردوں سے چاند کی مدھم روشنی اندر آ رہی تھی۔ نرمین کب کی نیند کی وادی میں اتر چکی تھی، مگر آبانہ کے لیے بستر جیسے کانٹوں کی سیج بن گیا تھا۔

وہ کبھی دائیں کروٹ لیتی، کبھی بائیں۔ کبھی تکیہ درست کرتی اور کبھی چادر کھینچ کر خود پر ڈال لیتی۔ چند لمحے آنکھیں بند رکھتی، پھر بے چینی سے انہیں کھول دیتی۔

اس کا فون تکیے کے پاس رکھا تھا۔ وہ بار بار اس کی اسکرین روشن کرتی، ارشام کا کوئی پیغام دیکھنے کی امید میں، مگر ہر بار خالی اسکرین اسے منہ چڑانے لگتی۔

وہ ناراض تھا۔

بہت خفا تھا۔

وہ جدا تھا ۔

بے مروت تھا ۔

سنگدل تھا ۔

بلا کا اداکار تھا ۔

مگر وہ وہی تھا جس کے نام پر اس کا دل دھڑکتا تھا ۔

اور آہانہ کو سب سے زیادہ تکلیف اس بات کی تھی کہ آج پہلی بار اس سے اتنی دور تھی۔نیا گھر کافی دور تھا اب تو یونیورسٹی بھی چھوٹ رہی تھی دور ہونے کے سبب روز کا آنا جانا مشکل تھا ۔وہ بہت ساری فکریں دل میں لئے پھر کروٹ بدل کر لیٹی تو نرمین کی نیند میں خلل پڑا --

اس نے آنکھیں کھولے بغیر تکیے میں منہ دبایا، پھر اچانک سر اٹھا کر آہانہ کو گھورا۔

''کیا تکلیف ہے آہانہ؟ کیوں ہاتھی کی طرح سونڈ ہلاتی بیڈ پر گھوم رہی ہو؟ سوتی کیوں نہیں ہو؟''

آہانہ نے اسے دیکھا۔

''نیند نہیں آ رہی۔''

نرمین نے گھڑی کی طرف دیکھا، پھر انتہائی بیزاری سے آنکھیں بند کر لیں۔

''تو اس کا مطلب جسے نیند آ رہی ہے، اس کی بھی برباد کر دو؟''

''تو تم سو جاؤ، میں نے کچھ کہا ہے؟''

''یہ جو پچھلے دو گھنٹے سے مچھلی کی طرح تڑپ رہی ہو، کیا تمہیں لگتا ہے بیڈ تمہارے باپ کا ہے؟''

آہانہ نے تکیہ اٹھا کر اس کی طرف اچھالا۔

''بدتمیز---باپ کا ہی ہے"

نرمین نے تکیہ سینے سے لگایا اور ایک آنکھ کھول کر اسے دیکھا۔

"جی نہیں مالک مکان کا ہے ٹوٹ گیا تو ہمارے بابا جان کو اس کے پیسے دینے پڑیں گے۔۔خبردار اب ہلیں تو"

وہ اسے چڑاتی ہوئی دوبارہ آنکھیں موند گئی ۔

"نرمین"

آہانہ کی پکار پر اس نے ایک آنکھ کھول کر اسے دیکھا ۔

"کونسے دورے پڑ رہے ہیں تمہیں آہانہ خدا کے لئے سو جاؤ"

"میں کیا کروں وہ یاد آرہے ہیں"

وہ منہ بسورتے ہوئی بولی ۔

"اتنی رات گئے بھی شوہر کی یاد میں کروٹیں بدل رہی ہو۔ ذرا شرم کر لو کچھ تو پردہ رکھو اپنے جذبات پر۔"

آہانہ نے اسے گھورا۔

''ویسے ایک بات بتاؤں؟''

''نہیں۔''

نرمین نے ناراضگی دکھائی

''بتانی تو ہے۔''

''تو پھر پوچھ کیوں رہی ہو؟''

نرمین ذرا سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے سے شرارت یکایک غائب ہو گئی۔

''تم بی جان کو بہت بڑا موقع دے آئی ہو، آہانہ۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ تم یہاں آ کر اپنے کمرے میں بیٹھی ارشام بھائی کو یاد کرتی بیڈ توڑتی رہو گی اور وہاں بی جان ان کے کان بھر بھر کر انہیں تم سے بدظن کریں گی۔''

''ایسا کچھ نہیں ہوگا۔''

''اچھا؟ ''

نرمین نے بھنویں اٹھائیں۔

''اور اگر انہوں نے ارشام بھائی کی دوسری شادی کا شوشہ چھوڑ دیا تو؟''

آبانہ کے چہرے کا رنگ فق ہوا ۔

نرمین نے اس کی کیفیت دیکھ کر بات آگے بڑھائی۔

''اب دیکھنا وہ کیسے ان کے لیے نئی دلہن تلاش کرتی ہیں اور تم یہاں مچھلی کی طرح تڑپتی رہنا۔''

''نرمین فضول باتیں مت کرو۔''

''میں تو تمہیں حقیقت سمجھا رہی ہوں۔ بی جان کو تم دونوں کے درمیان دوری چاہیے تھی، اور تم نے خود ہی انہیں یہ موقع دے دیا۔''

"میں جان سے مار دوں گی بی جان کو بھی اور ارشام کو بھی کسی اور کی طرف نظر اٹھا کر تو دیکھیں"

آبانہ نے بےاختیار اپنا فون اٹھا لیا۔ اسکرین پر اب بھی ارشام کا کوئی پیغام نہیں تھا۔

"بہن تیرا بندہ کسی اور بندی کے ساتھ مصروف ہے"

نرمین نے اسے پھر سے تنگ کرنا چاہا ۔

''وہ ایسا نہیں کریں گے۔''

اس کی آواز میں یقین کم اور خود کو تسلی دینے کی کوشش زیادہ تھی۔

نرمین نے اس کے ہاتھ سے فون چھین کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"تو کیوں اسے بار بار کھولتی ہو"

''وہ مجھ سے ناراض ہیں۔''

''تو منا لو۔''

''بات نہیں کر رہے۔''

''تو تم کر لو۔''

''میں کیوں کروں؟ غلطی ان کی ہے۔''

"نہیں تمہاری ہے وہ تمہارا ساتھ مانگ رہے تھے تم وہاں رک جاتیں تو شاید بابا کی واپسی کے امکان بھی روشن رہتے مگر تم پر اچھی بیٹی بننے کا بھوت سوار ہے"

"تم اپنی بکواس بند کرو تم تم ابھی چھوٹی ہو ۔۔میں نہیں ارشام غلط ہیں ۔"

آبانہ نے اسے ڈانٹ دیا۔

نرمین نے منہ کھول کر اسے دیکھا، پھر چادر اپنے اوپر کھینچ لی۔

''اچھا تو پھر ساری رات اسی غلطی کی سزا اس بیڈ کو دیتی رہو۔''

آبانہ کے لبوں پر بےاختیار مسکراہٹ آ گئی، مگر اگلے ہی لمحے اس کی نگاہ پھر فون کی طرف اٹھ گئی۔

''اب فون اٹھاؤ اور بات کر لو۔ کم از کم یہ تو پتا چلے کہ ارشام بھائی بھی تمہاری طرح کروٹیں بدل رہے ہیں یا سکون سے سو رہے ہیں۔''

آبانہ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

''اگر انہوں نے فون نہیں اٹھایا تو؟''

''تو مجھے جگانا مت۔ میں تمہاری محبت کی ناکامی کا ماتم کرنے کے لیے صبح تک نہیں جاگ سکتی۔''

آبانہ ہنس دی۔

مگر اس ہنسی کے باوجود اس کی انگلیاں فون پر ارشام کا نام کھول چکی تھیں۔

اسے بس ایک بار اس کی آواز سننی تھی۔

کچھ رشتے ایسے ہوتے ہیں جہاں ناراضگی فاصلے تو پیدا کر دیتی ہے، مگر دل کی وابستگی کم نہیں کر پاتی۔ انسان چاہے کتنی ہی دور جا بیٹھے، اس کے اندر کا سکون اسی ایک شخص کے پاس رہ جاتا ہے جس کی موجودگی اسے گھر ہونے کا احساس دلاتی ہے۔

اقبال کے گھر سے کچھ فاصلے پر فرزام سکندر کی گاڑی آ کر رکی تو اس کی نگاہ بے اختیار گلی کے دونوں سروں پر دوڑ گئی۔

گلی بظاہر خاموش تھی، مگر فرزام کو اس خاموشی پر اعتبار نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جس شخص کے خلاف وہ قدم اٹھانے جا رہا ہے، اس کے اثر و رسوخ کو معمولی سمجھنا حماقت ہوگی۔ ممکن تھا کسی نے پہلے ہی اس گھر پر نظر رکھی ہو۔ یمنہ کو دوبارہ اغوا کرنے کی کوشش بھی ہو سکتی تھی۔

اس نے ریئر ویو مرر میں پچھلی نشست پر بیٹھی یمنہ کو دیکھا۔

''اپنا منہ چھپا کر رکھو اور گاڑی میں بیٹھی رہو۔ میں پہلے حالات کا جائزہ لیتا ہوں۔''

یمنہ نے سر اٹھایا۔

''نہیں، مجھے بھی آپ کے ساتھ آنا ہے۔''

''خطرہ ہو سکتا ہے۔''

فرزام نے مختصر جواب دیا۔

''مگر مجھے اپنے ابا کو دیکھنا ہے۔''

''میں نے کہا گاڑی میں رہو۔''

اس کے لہجے میں ایسی قطعیت تھی کہ یمنہ مزید کچھ نہ کہہ سکی۔ فرزام نے گاڑی سے اتر کر شال کندھوں پر درست کی اور گلی کا جائزہ لیتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ اس کے پیچھے موجود دو اہلکار بھی گاڑی سے نکل آئے۔

چند لمحوں بعد وہ اقبال کے گھر کے سامنے کھڑا تھا۔

دروازے پر تالا لگا ہوا تھا۔

فرزام نے ایک نظر تالے پر ڈالی، پھر اطراف میں نگاہ دوڑائی۔

''یہاں تالا کیوں لگا ہوا ہے؟''

اس نے ساتھ کھڑے اہلکار سے پوچھا۔

''سر، اس بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں۔''

فرزام کے ماتھے پر شکن ابھری۔ اس نے ایک بار پھر بند دروازے کو دیکھا۔ ابھی وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ گلی سے ایک ادھیڑ عمر شخص گزرتا دکھائی دیا۔

فرزام نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا۔

''بھائی، ذرا بات سنیے۔''

وہ شخص ٹھٹھک کر رک گیا۔ سامنے پولیس کی وردیوں میں ملبوس لوگوں کو دیکھ کر اس کے چہرے پر حیرت ابھری۔

''جی صاحب، فرمائیے؟''

فرزام نے بند دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

''اس گھر کے لوگ کہاں ہیں؟''

آدمی نے ایک گہری سانس بھری اور افسوس سے سر ہلایا۔

''ارے صاحب جی! کیا بتاؤں، اس گھر پر تو قیامت گزر گئی۔''

فرزام کی نگاہ اس کے چہرے پر ٹھہر گئی۔

''کیا ہوا ہے؟''

''اقبال کا سوتیلا بیٹا جوئے میں اپنی بہن کو ہار بیٹھا تھا۔ پھر کچھ لوگ اسے لینے آ گئے۔ بڑی بیٹی تو جان بچا کر بھاگ گئی، مگر سنا ہے چھوٹی والی کو اٹھا کر لے گئے ہیں۔''

فرزام کے چہرے کے تاثرات سخت ہو گئے۔

''اور اقبال؟''

اس شخص نے افسوس سے سر جھکا لیا۔

''وہ بدقسمت یہ صدمہ برداشت نہیں کر سکا، صاحب۔ دنیا سے ہی چلا گیا۔ آج عشاء کے بعد جنازہ تھا اس کا۔''

چند لمحوں کے لیے فرزام کے گرد جیسے خاموشی چھا گئی۔

اس کی نگاہ ایک بار پھر بند دروازے پر جا ٹھہری۔

اقبال مر گیا تھا؟

وہ شخص جس کی بیٹی کو ملوانے کے لیے وہ اسے ہسپتال سے یہاں تک لے آیا تھا، اب اس دنیا میں نہیں رہا تھا؟

اس نے جبڑے بھینچ لیے۔

''کب ہوا یہ سب؟''

''آج ہی تو ہوا ہے صاحب۔ سارا محلہ جانتا ہے۔ بڑی بیٹی کا بھی کوئی پتا نہیں، نہ جانے کہاں چلی گئی۔''

فرزام نے ایک گہری سانس لی، پھر فوراً اگلا سوال کیا۔

''مگر گھر پر تالا کیوں لگا ہے؟ صفیہ کہاں ہے؟ اور عمیر؟''

آدمی نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔

''صفیہ کا تو مجھے نہیں پتا صاحب، البتہ عمیر کو کل رات کے بعد سے کسی نے نہیں دیکھا۔ کچھ لوگ کہہ رہے تھے کہ وہ بھی کہیں غائب ہو گیا ہے۔''

فرزام کی آنکھوں میں سختی اتر آئی۔

اس نے اپنے ساتھ کھڑے اہلکار کی طرف دیکھا۔

''اس گھر کے متعلق مکمل معلومات نکالو۔ صفیہ اور عمیر دونوں کو تلاش کرو۔ اور جس لڑکی کو اٹھایا گیا ہے، اس کا بھی پتا کرو۔''

''جی سر۔''

فرزام نے ایک بار پھر گھر کے بند دروازے کو دیکھا۔ پھر اس کی نگاہ گلی کے دوسرے سرے پر کھڑی اپنی گاڑی کی طرف اٹھ گئی۔

یمنہ ابھی تک اسی گاڑی میں بیٹھی اپنے باپ کی منتظر تھی۔

اسے کیا خبر تھی کہ جس باپ سے ملنے کی آس میں وہ ہر درد بھول کر یہاں تک آئی تھی، وہ اب اس دنیا میں نہیں رہا۔

فرزام نے گہری سانس لی ۔

اب اسے خبر یمنہ تک پہنچانی تھی،مگر وہ اگر اسے ابھی بتا دیتا تو اسے سنبھالنا مشکل ہو جاتا ان کے پاس کوئی لیڈی کانسٹیبل نہیں تھی جو اسے چپ کرواتی ۔

فرزام چند لمحے خاموش رہا۔ رات گزرنے کو تھی، مگر اس کے سامنے ایک اور مسئلہ کھڑا تھا۔ یمنہ کو

اس کے باپ کی موت کی خبر دینا آسان نہیں تھا، اور اسے اس حالت میں تنہا چھوڑنا بھی ممکن نہیں تھا۔ اسے اس کے لئے کوئی محفوظ ٹھکانہ بھی ڈھونڈنا تھا ۔

''تم لوگوں میں سے جس کی شادی ہوئی ہے، وہ اسے اپنے گھر لے جائے۔''

دونوں اہلکاروں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

پھر ایک نے نہایت معصومیت سے عرض کیا۔

''سر جی، آپ ہماری طلاقیں کیوں کروانا چاہتے ہیں؟''

فرزام کی نگاہ اس پر اٹھی۔

''کیا مطلب؟''

''سر، اس وقت دوسری عورت کو گھر لے کر جائیں گے تو ہماری بیویاں تو شور مچا دیں گی۔''

دوسرے اہلکار نے بھی سر ہلایا۔۔

''بالکل سر جی۔ آپ خود کیوں نہیں لے جاتے؟ آپ کے گھر میں تو کوئی عورت بھی نہیں ہے۔''

''اپنی ڈیوٹی پر توجہ دو۔''

''میں کیسے لے جا سکتا ہوں؟ گھر میں میرے سوا کوئی نہیں۔''

''تو سر جی، پھر دوسرا آپشن ایدھی سینٹر ہے۔ وہاں چھوڑ دیتے ہیں۔ وہاں اس کے باپ کے بارے میں بھی بتا دیں گے۔''

"نہیں وہاں شاید یہ محفوظ نہ ہو عمیر جب تک ہماری حراست میں نہیں آتا ہم اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتے"

"تو سر آپ کے دماغ میں کیا چل رہا ہے ؟؟ آپ نے اس کو ابھی تک اقبال کی موت کا بھی نہیں بتایا"

"اس وقت بتانا درست نہیں وہ رونا پیٹنا ڈالے گی یہاں سے لے جانا مشکل ہو گا -- عمیر یا وہ وڈیرہ چوکنا بھی ہو سکتے ہیں --- صبح تک ساری معلومات کرو اقبال کی موت کیسے ہوئی مجھے قتل کا شبہ ہے"

URDU NOVELS MAG

فرزام کچھ اور بھی کہنے ہی والا تھا کہ گاڑی کا دروازہ کھلنے کی آواز نے اس کی بات ادھوری چھوڑ دی ۔

تینوں نے ایک ساتھ پلٹ کر دیکھا۔

یمنہ گاڑی سے نکل چکی تھی۔

''اتنی دیر کیوں لگ رہی ہے؟''

وہ بے چینی سے ان کی طرف بڑھ رہی تھی۔

''دروازہ کیوں نہیں کھلوا رہے آپ لوگ؟''

فرزام نے اسے روکنے کے لیے قدم بڑھایا۔

''لڑکی رکو''

مگر وہ اس کی آواز سنے بغیر گھر کی طرف بڑھ گئی۔

دروازے پر لگا تالا دیکھتے ہی اس کے قدم رک گئے۔

''ابا؟''

اس نے ایک بار دروازے کو دیکھا، پھر دونوں ہاتھوں سے اسے کھٹکھٹانے لگی۔

''ابا--- سارا--- دروازہ کھولو''

گلی کی خاموشی میں اس کی آواز گونج اٹھی۔

''کہاں ہو تم دونوں؟''

وہ بے قرار ہو کر دروازے کے ساتھ اپنا سر ٹکا گئی۔ انگلیاں تالے پر جمی تھیں، جیسے اسے یقین ہو کہ ابھی اندر سے کوئی آواز آئے گی، کوئی دروازہ کھولے گا اور اس کی ساری پریشانی ختم ہو جائے گی۔

فرزام اس کے قریب آ کر رکا۔

''سنو''

اس نے سر نہیں اٹھایا۔

''گاڑی میں جا کر بیٹھو۔''

یمنہ نے اچانک سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں خوف تھا۔

''کہاں ہیں میرے ابا؟ یہ تالا کیوں لگا ہے؟''

''بتاتا ہوں۔ پہلے گاڑی میں بیٹھو۔''

''نہیں آپ مجھے پہلے بتائیں۔''

''اتنی ضدی کیوں ہو تم؟''

یمنہ کی نگاہ دوبارہ دروازے پر جا ٹھہری۔ اس نے کچھ نہیں کہا۔ بس خاموشی سے گاڑی کی طرف پلٹ گئی۔

فرزام بھی اس کے پیچھے آیا۔

گاڑی میں بیٹھ کر اس نے یمنہ کی طرف دیکھا۔

''تمہاری کوئی دوست ہے؟ جس کے گھر تمہیں چھوڑ دوں؟''

یمنہ کے ذہن میں آبانہ اور مزنہ کے چہرے ابھرے۔ مگر اس وقت وہ ان دونوں کے لیے کوئی مشکل کھڑی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''نہیں۔''

فرزام نے چند لمحے سوچا، پھر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

''ٹھیک ہے۔ پھر تمہیں ایدھی سینٹر چھوڑ دیتا ہوں۔ ساری رات تمہیں لے کر نہیں گھوم سکتا۔''

یمنہ نے اس کی طرف دیکھا۔

''میرے ابا کہاں گئے؟ گھر بند کیوں ہے؟''

اس بار اس کی آواز میں سختی تھی ---اور آواز بلند تھی ۔

فرزام کی انگلیاں اسٹیئرنگ پر سخت ہو گئیں۔

وہ اسے حقیقت بتانا چاہتا تھا، مگر اس کے لیے مناسب الفاظ نہیں ڈھونڈ پا رہا تھا۔

''محلے والوں نے بدنامی کے ڈر سے انہیں وہاں سے نکال دیا ہے۔ صبح ان کا پتا کر کے تمہیں ملوا دیا جائے گا۔''

یمنہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے ؟"

"مجھے ابھی مکمل معلومات نہیں ہیں۔"

"وہ ٹھیک تو ہوں گے نا ؟"

وہ بے قرار ہوئی ۔

"صبح تک پتا لگ جائے گا"

یمنہ خاموش ہوئی وہ جانتی تھی اب جو بھی وہ اس سے پوچھے گی جواب پتا نہیں کی صورت موصول ہوگا۔۔وہ خاموشی سے سر پیچھے ٹکا لیا۔

اس کے سر میں درد بڑھ رہا تھا۔ بھوک کی شدت بھی اب برداشت سے باہر ہونے لگی تھی۔ اس نے آج سارا دن کچھ نہیں کھایا تھا۔ جسم میں نقاہت تھی اور آنکھوں کے سامنے دھند سی چھانے لگی تھی۔۔۔اس کے منہ سے بے اختیار سسکی نکلی تھی ۔

فرزام نے مرر میں اسے دیکھا۔۔۔مگر کہا کچھ نہیں ۔۔۔

یمنہ نے خود سے ہی بات کی ۔

"مجھے بھوک لگی ہے۔"

فرزام نے اسے دوبارہ دیکھا اسے توقع ہی نہ تھی کہ اتنی پریشانی میں گھری لڑکی اپنی بھوک کا ذکر کرے گی۔دوسری طرف یمنہ نہ جانے کیوں، وہ اس سے ہر بات بلا جھجھک کہہ رہی تھی۔ شاید اس لیے کہ اس وقت اس کے پاس چھپانے کے لیے کچھ بچا ہی نہیں تھا۔

فرزام نے گاڑی کی رفتار کم کی۔یمنہ نے نظریں جھکا لیں۔

"سوری۔۔۔ میرے پاس پیسے بھی نہیں ہیں۔"

اس بار اسے اپنی بے بسی پر رونا آیا تھا۔ وہ بھوکی تھی، زخمی تھی، باپ سے بچھڑ چکی تھی اور اب ایک

اجنبی شخص کے سامنے کھانے کے پیسے نہ ہونے کا اعتراف کر رہی تھی۔

فرزام نے مرر میں اسے دیکھا۔

''رونے کی وجہ؟''

یمنہ نے نم آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''میں--- آپ کو پیسے کہاں سے دوں گی؟''

"میں نے مانگے ؟"

"مانگے تو نہیں مگر ---"

"چلو اترو ---"

وہ گاڑی روک چکا تھا۔اس کی بات پر یمنہ نے اپنی دائیں طرف دیکھا رات کی تاریکی میں ایک خوبصورت گھر روشنیوں میں جگ مگ کر رہا تھا۔

یمنہ فرزام کے پیچھے پیچھے اندر کی طرف داخل ہوئی۔اندر قدم رکھتے ہی اس کی نگاہ سامنے پھیلے باغیچے پر ٹھہر گئی۔

وہ بے اختیار چند قدم آگے بڑھی۔

لان میں تراشے ہوئے پودے، پھولوں سے بھری کیاریاں اور ان کے درمیان بنے چھوٹے چھوٹے راستے--- ہر چیز میں بھرپور حسن تھا۔ یمنہ کا دل چاہا کہ وہ ان پھولوں کو چھو کر دیکھے، ان کی خوشبو اپنے اندر اتار لے۔ پودے ہمیشہ سے اس کی کمزوری تھے۔ گھر کے صحن میں کبھی کوئی ننھا سا پودا لگانے کی جگہ مل جاتی تو وہ اسے یوں سنبھالتی جیسے کوئی قیمتی امانت ہو۔

اس کی نگاہ ایک گلاب پر ٹھہر گئی۔

''کتنے خوبصورت پھول ہیں---''

وہ بے اختیار بڑبڑائی۔

رات کی سیاہی میں بھی باغیچے کے پھول اپنی رنگینی اور خوشبو کے ساتھ یوں کھلے تھے جیسے اندھیرا اس کے حسن کو چھو بھی نہ پایا ہو۔

فرزام نے گاڑی کی چابیاں گارڈ کے حوالے کرتے ہوئے اسے دیکھا جو اس وقت اس کے لان کا جائزہ لینے پر مصروف تھی ---

"کریم بابا کہاں ہیں ؟"

فرزام نے اپنے گارڈ سے پوچھا جو نظریں نیچی کیئے کن اکھیوں سے یمنہ کا جائزہ لے رہا تھا سکندر کی تیز و تند نظروں نے اس کی چوری پکڑ لی تھی ---

"کیا دیکھ رہے ہو ادھر --؟"

''صاحب جی، آپ پہلی بار کسی خاتون کو گھر لائے ہیں--- اسی لیے پوچھ لیا۔''

''پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔''

سکندر کا رنگ بہاپ کی طرح اڑ گیا ۔ وہ سخت شرمندہ ہوا تھا ۔

"بیوقوف انسان کیا سمجھ رہے ہو تم --؟اپنی زبان اور نظریں قابو میں رکھو ۔

"غلطی ہو گئی ---صاحب جی معذرت"

وہ بے اختیار ہاتھ جوڑ گیا --

"کریم بابا کہاں ہے ؟--ان سے کہو مہمان آئے ہیں کچھ کھانے کا بندو بست کریں"

وہ اسے حکم دیتا ہوا اندر چلا گیا تھا --

یمنہ کو اچانک اپنے اردگرد پھیلی خاموشی کا احساس ہوا تو اس نے پلٹ کر دیکھا۔

فرزام سکندر وہاں کہیں نہیں تھا۔

وہ اسے اس طرح کسی اجنبی گھر میں چھوڑ کر کیسے جا سکتا تھا؟ ابھی تو وہ اس کے ساتھ تھا۔۔۔ پھر یوں اچانک کہاں چلا گیا؟

اس کے دل میں ایک انجانا سا خوف سر اٹھانے لگا۔ وہ ایک بار پھر تنہا رہ گئی تھی، ایسے گھر میں جہاں ہر چیز اس کے لیے اجنبی تھی۔ اس کی نگاہ بےاختیار دروازے کی طرف اٹھ گئی، جیسے ابھی فرزام واپس آئے گا اور اسے بتائے گا کہ وہ اسے یہاں اکیلا چھوڑ کر نہیں گیا۔

وہ انہی سوچوں میں گم تھی کہ اچانک پیچھے سے ایک بھاری آواز ابھری۔

''السلام علیکم!۔''

یمنہ بری طرح چونکی۔ اس کا دل جیسے ایک لمحے کو دھڑکنا بھول گیا۔ وہ تیزی سے پلٹی تو سامنے ایک عمر رسیدہ شخص کھڑا تھا۔ گندمی رنگت، سفید بالوں اور سفید داڑھی کے ساتھ اس کے چہرے پر ایک خاص وجاہت اور دل آویز شفقت تھی۔

یمنہ اسے دیکھتی رہ گئی۔

اس مانوس سی شفقت نے یکایک اسے اپنے بابا کی یاد دلا دی۔ اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی اور اس نے اپنی نظریں جھکا لیں۔

کریم بابا نے اس کے جھکے ہوئے چہرے کو شفقت سے دیکھا اور شفقت سے بولے۔

''بیٹا، اندر آ جائیں۔ آپ کے لیے کھانا لگ رہا ہے۔''

یمنہ نے دھیرے سے سر اٹھایا۔۔

''فرزام سکندر کہاں ہے؟''

کریم بابا نے اس کے چہرے پر پھیلی گھبراہٹ دیکھی تو مسکرا دیے۔

''بیٹا، ڈریں مت۔ یہ فرزام بابا کا ہی گھر ہے۔''

یمنہ کی نگاہیں ایک بار پھر دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔

کریم بابا نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''انہوں نے کہا ہے کہ آپ کچھ کھا کر دوا لیں اور آرام کریں۔ پھر صبح آپ کے گھر والوں کو ڈھونڈیں گے۔''

''صبح---؟''

یمنہ کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔

''جی بیٹا، صبح۔ ابھی آپ کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے۔ سر پر چوٹ لگی ہے، کچھ کھا لیں گی تو دوا بھی اثر کرے گی۔''

یمنہ نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔ اسے ابھی بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ فرزام اسے یہاں چھوڑ کر کہاں چلا گیا تھا، مگر کریم بابا کے لہجے میں موجود اپنائیت نے اس کے دل کی گھبراہٹ کچھ کم کر دی تھی۔

''آئیے بیٹا، کھانا ٹھنڈا ہو جائے گا۔''

یمنہ نے بے اختیار سر ہلایا اور ان کے پیچھے چل پڑی۔

کمرے سے باہر نکلتے ہی وہ ایک وسیع، نفیس ڈائننگ ہال میں آ گئی۔ گھر اندر سے بھی اتنا ہی شاندار تھا جتنا باہر سے دکھائی دیتا تھا۔ بلند چھت، چمکتے فرش اور خوب صورت فانوس اس کی نگاہوں کو اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔

مگر اس کی توجہ میز پر سجے کھانے پر جا ٹھہری۔

گرم گرم روٹیاں، چکن کڑاہی، بھنا ہوا گوشت ، سلاد، رائتہ بہت سلیقے سے رکھا ہوا تھا --- کئی گھنٹوں

سے خالی پیٹ یمنہ کی بھوک یکایک جاگ اٹھی۔ پھر ایک لمحے کو اسے اپنی حیثیت کا احساس ہوا وہ تو کچا پکا اور باسی کھانا کھایا کرتی تھی اور اسے وہ بھی نعمت سے کم نہ لگتا تھا ،صفیہ اکثر اس کا کھانا چھپا دیا کرتی تھی ۔ اس کی نظریں جھک گئیں۔

"میں نہیں جانتی میں یہاں کیوں ہوں ایک انجان انسان کے گھر ، نہیں معلوم وہ میرا کون ہے مگر اس وقت پوری دنیا میں وہی اپنا لگ رہا ہے۔"

وہ گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی جب کریم بابا نے کرسی کھینچتے ہوئے کہا۔

"بیٹا، بیٹھ جائیں۔ کھانا کھا لیجیے۔"

یمنہ بیٹھ تو گئی، مگر ذہن میں سوال گردش کرنے لگا۔

"یہاں کون کون رہتا ہے؟"

"بیٹا، صرف فرزام بابا اور ہم ملازم۔"

یمنہ نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"صرف وہ؟ کیوں؟ فرزام سکندر کے والدین؟"

کریم بابا کے چہرے پر اداسی کی ہلکی سی پرچھائیں ابھری۔

"جی بیٹا، دونوں کی وفات ہو چکی ہے۔"

"افف--- افسوس ہوا، بیچارے۔ "

یمنہ کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔

کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے پھر پوچھا۔

"اور بہن بھائی؟ بیوی بچے؟"

کریم بابا نے نگاہ جھکا لی۔

''نہیں بیٹا--- ان کا کوئی بھی نہیں ہے، سوائے اللہ کے۔''

یمنہ کے ہاتھ میں پکڑا چمچ ٹھہر گیا۔

اسے فرزام سکندر کا خیال آیا--- وہ شخص جو اتنا رعب دار تھا، جس کے ایک حکم پر لوگ خاموش ہو جاتے تھے، اس کے اپنے گھر میں کوئی اس کا منتظر نہیں تھا۔ ۔

یمنہ کو پہلی بار محسوس ہوا کہ بعض گھر اپنی شان و شوکت کے باوجود اندر سے کتنے خالی ہوتے ہیں لوگ اپنی تنہائی کو پردوں میں تو چھپا لیتے ہیں، مگر ان کے شاندار گھروں کی خاموشی بتاتی ہے کہ ہر آسائش کے باوجود کسی اپنے کی کمی اس گھر کے در و دیوار میں بسی ہوئی ہے ۔ کیونکہ گھر دیواروں اور چھت سے نہیں، اپنوں کی موجودگی سے آباد ہوتے ہیں۔

URDU NOVELS MAG

فجر کی اذان کے بعد گھر پر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔مزنہ جائے نماز پر بیٹھی تھی۔ سر پر دوپٹہ اوڑھے، ہاتھ دعا کے لیے اٹھے ہوئے تھے، مگر لب خاموش تھے۔ آج وہ مزنہ دلشاد خان نہیں رہی تھی--- آج وہ مزنہ زاوش بن چکی تھی۔

نکاح ہو چکا تھا---اس کی زندگی بدل گئی تھی --رشتے تو اس نے کل ہی بدلتے دیکھ لئے تھے ---فاریہ نے دو تین بار کوشش بھی کی اس سے بات کرنے کی مگر اس نے اس کی شکل دیکھنے سے بھی انکار کر دیا تھا ---اس کا دل بری طرح ٹوٹا تھا --اسے امید بھی نہیں تھی فاریہ یہ سب کرے گی ۔

ایک ایسا رشتہ جس کے بارے میں اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا، آج اس کی زندگی کا حصہ بن چکا

تھا۔ اس نے نظریں جھکائے جائے نماز کو دیکھا تو ذہن میں گزشتہ روز کا منظر روشن ہونے لگا۔

زاوش نے نکاح سے پہلے اس سے اکیلے میں بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔۔۔ مزنہ اپنے باپ کو کیسے انکار کر سکتی تھی انکار تو اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔

اس آج زاوش سے ہوئی شام کی ملاقات یاد آنے لگی ۔جب وہ اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

''کیسی ہیں؟''

زاوش نے اس کے چہرے پر پھیلی بے زاری دیکھی تو ہلکا سا مسکرایا۔

''ٹھیک نہیں ہوں۔''

URDU NOVELS MAG

''میں سمجھ سکتا ہوں۔''

''نہیں، آپ نہیں سمجھ سکتے، کیونکہ آپ مزنہ نہیں ہیں۔''

زاوش کے لبوں پر مسکراہٹ ذرا گہری ہوئی۔

''آپ کو ریان سے پرابلم ہے؟''

''نہیں، ریان کے باپ سے۔''

زاوش اس کے اتنے صاف جواب پر حیران رہ گیا۔

''اس کی کوئی خاص وجہ ؟"

"بہت سی ہیں سب سے پہلی تو یہی کہ آپ ارمان کے بھائی ہیں"

"مگر میں ارمان جیسا تو نہیں ہوں"

URDU NOVELS MAG

"مجھے کیا پتا میں نے کونسا آزمایا ہے"

''آپ کو رشتہ منظور نہیں تو آپ انکار کر سکتی ہیں"

''پہلے آپ مجھے سمجھائیں--- آپ نے ہاں کیسے کر دی؟''

مزنہ نے کمر پر ہاتھ رکھے پوچھا ۔

"میرے باپ کی عزت کا سوال ہے مزنہ"

"میرے باپ اور بھائی کی عزت کا سوال بھی تھا "

زاوش نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''ارمان بہت شرمندہ ہے مزنہ۔''

مزنہ کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ ابھری۔

''اچھا ان کی شکل سے تو نہیں لگا۔''

زاوش نے اس بار اپنی ہنسی بمشکل روکی۔۔وہ حد سے زیادہ صاف گو تھی ۔

مزنہ نے اسے نظرانداز کرتے ہوئے بات جاری رکھی۔

''میں نہیں جانتی کہ ہمارا رشتہ کہاں تک جائے گا۔ بس مجھے اتنا پتا ہے کہ میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں۔ میرے باپ کی عزت مجھے جان سے بھی عزیز ہے۔۔۔ آپ کی طرح۔''

زاوش کے چہرے پر مسکراہٹ آہستہ آہستہ سنجیدگی میں بدل گئی۔

''مجھے خوشی ہوئی آپ کی باتوں سے۔''

''زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ابھی میری بات مکمل نہیں ہوئی۔''

زاوش نے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے اور پوری توجہ سے اسے دیکھا ۔

''جی فرمائیے۔''

''ہمارے کمرے الگ ہوں گے۔''

زاوش نے گہری سانس بھری --

''ٹھیک ہے۔''

''ہم ایک دوسرے کو تنگ نہیں کریں گے۔''

''بالکل درست کہا آپ نے"

''اور میں ترکی ساتھ جاؤں گی۔ مجھے ارمان اور فاریہ کی شکل بھی نہیں دیکھنی۔''

"میری پوری کوشش ہو گی آپ کے کاغذات جلد بن جایئں "

''اور مجھے کھانا بنانا نہیں آتا۔''

''میرے پاس کک ہے۔''

زاوش کو سمجھ نہیں آرہا تھا وہ ہنسے یا روئے --

''اچھا۔۔۔ ''

مزنہ نے قدرے اطمینان سے سر ہلایا۔

زاوش اس کی سنجیدگی اور بے تکلفی کو دل ہی دل میں انجوائے کر رہا تھا۔ وہ اس لڑکی کو پہلے بھی مل چکا تھا، مگر آج اس کے سامنے ایک ایسی مزنہ بیٹھی تھی جو اپنی زندگی کے فیصلوں پر واضح تھی، چاہے وہ فیصلے اس کے اپنے اختیار میں نہ بھی ہوں۔

مزنہ نے اگلی بات کے لیے خود کو تیار کیا۔

''حق مہر میں مجھے ریان چاہیے۔''

URDU NOVELS MAG

زاوش کا سانس ایک لمحے کو اٹک گیا۔

وہ واقعی گرتے گرتے رہ گیا تھا ۔

''کیا؟''

مزنہ نے پوری سنجیدگی سے وضاحت کی۔

''تاکہ اگر کبھی ہمارے راستے الگ ہوں تو میرے پاس میرے بڑھاپے کا سہارا ہو۔''

"لیکن شرعی اور قانونی اعتبار سے بچہ حق مہر نہیں بن سکتا۔"

زاوش نے اس کی غلط فہمی دور کی ---

"آپ اس کی جگہ کوئی بھی پراپرٹی یا کیش لکھوا سکتیں ہیں ۔"
اس کا بجھا ہوا چہرہ دیکھ کر اس نے دوبارہ آفر کی۔

"کیا حق مہر میں خوشیوں کی گارنٹی سو فیصد لکھی جا سکتی ہے ؟"
وہ اندر سے کس قدر مایوس تھی اس بات کا اندازہ زاوش کو ہورہا تھا --

"جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں وہ غمگین نہیں ہوتے مجھے تو بس اتنا ہی پتا ہے مزنہ ---اور حق مہر آپ کی سیفٹی ہے --- اللہ نے آپ کو تحفظ دیا ہے"

"تو پھر ٹھیک ہے اپنا سب کچھ میرے نام کر دیں تاکہ کبھی مجھے چھوڑنے کا خیال بھی دل میں آئے تو کنگال ہونے کے ڈر سے آپ ارادہ بدل لیں"

زاوش اسے دیکھتا رہ گیا۔ اسے ہنسی بھی آ رہی تھی اور حیرت بھی ہو رہی تھی کہ یہ کیسا حق مہر تھا۔
"آپ کو نہیں لگتا یہ اب زیادتی ہے میرے ساتھ اور میں کیوں چھوڑوں گا آپ کو-- اتنا خوف کس بات کا ہے ؟"

"کل کو آپ کو بھی میں موٹی لگنے لگئ تو ؟ مجھے دیکھ دیکھ کر آپ کو الجھن ہونے لگئ تو ؟

مزنہ کی آنکھوں میں آنسو تھے ۔

"نہایت ہی بیکار سی بات کی ہے آپ نے"

زاوش نے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر اپنی ہنسی دبائی۔

"اب اس سے بھی زیادہ بیکار بات کرنے والی ہوں میری آخری شرط"

مزنہ نے انگلی اٹھا کر کہا۔

"اللہ خیر ۔"

اس نے دل پر ہاتھ رکھا ۔

''ارمان کی شادی فاریہ سے ہوگی۔''

زاوش کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

''کیا؟ نہیں یہ ممکن نہیں۔''

مزنہ نے مزے سے ٹانگ پر ٹانگ رکھی ۔

''تو پھر ہماری شادی بھی ممکن نہیں۔''

وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔

یہ لڑکی--- اس کی زندگی میں آتے ہی اس کے سامنے شرطوں کی پوری فہرست رکھ رہی تھی ---باپ الگ

گن پوائنٹ پر شادی کروا رہا تھا --- اسے اپنا آپ مداری کا بندر لگ رہا تھا جسے دو لوگ نچا رہے تھے ۔

''ایک بات پوچھنے کی جسارت کروں ؟"

''بس ایک ہی پوچھیے گا دوسری کا جواب نہیں دوں گی"

زاوش کے لبوں پر ہنسی آ گئی۔

''پوچھیں۔''

مزنہ نے گویا احسان عظیم کیا۔

''آپ ارمان اور فاریہ کی شادی کیوں کروانا چاہتی ہیں؟''

زاوش نے اس کے چہرے پر نظریں جمائیں۔

''آپ نہیں سمجھیں گے۔''

''آپ سمجھائیں گی تو سمجھ جاؤں گا ۔''

"یہ ان دونوں کی سزا بھی ہے اور بہتری بھی"

مزنہ نے افسردگی سے کہا۔

زاوش نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''آپ سزا دینا چاہتی ہیں؟''

''تو کیا نہ دوں؟''

''بالکل دیں۔ کوئی نہیں روک رہا۔''

مزنہ کو اس کے جواب کی توقع نہیں تھی۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر بولی۔

URDU NOVELS MAG

"اور کوئی شرط ہے تو آپ منوا سکتی ہیں"

زاوش نے خوش دلی سے پوچھا ۔

"بہت سی ہیں باقی تو کی جا کر بتاؤں گی"

زاوش نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

''تو مجھے بھی سزا ملے گی؟''

''ظاہر ہے، ارمان کے بھائی ہیں آپ۔''

''مطلب اپنی زندگی تباہ سمجھوں؟''

مزنہ نے پوری سنجیدگی سے سر ہلایا۔

''تباہ و برباد سمجھیں گے تو زیادہ بہتر ہوگا۔''

زاوش اس کی باتوں کو خوب انجوائے کر رہا تھا۔ وہ اسے بہت معصوم سی لگی --- ایسی معصومیت جس کے پیچھے بہت سا دکھ اور بہت سی تلخی چھپی ہوئی تھی۔

''اور اگر میں یہ ساری باتیں نہ مانوں تو ؟''

وہ اسے چیلنج کرتے ہوئے بولا --

''مکر نہیں سکتے آپ نیچے سب کے سامنے بول کر آئیں ہیں کہ میری ہر بات آپ کو قبول ہو گی''

مزنہ نے بڑے کانفیڈنس سے کہا۔

وہ گہری سانس لیتا اسے دیکھ کر مسکرا دیا ۔

''حق مہر میں کچھ اور خاص لکھوانا چاہیں گی آپ ؟

''نہیں --بس خوشیاں چاہیں سکون چاہیئے اور بہت سارا پیار''

وہ روانی میں بولتی جا رہی تھی --

"اہمم --- ریان کا یا اس کے باپ کا ؟"

وہ اب شرارت پر آمادہ ہوا ۔

وہ خجل ہوتی اٹھ کھڑی ہوئی --

"پریشان مت ہوں مزنہ"

''آپ جیسا کہیں گی، ویسا ہوگا۔''

وہ بھی مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا --اور کچھ دیر بعد اس نے سب سے ارمان اور فاریہ کے نکاح کے لئے منا لیا تھا ۔

وہ نہ جانے کیوں، مزنہ کی ہر بات سننے پر آمادہ تھا۔

مزنہ گہری سانس بھرتی اپنے خیالوں کی دنیا سے باہر آئی ۔دروازے پر ہوتی دستک پر وہ نیچے سے اٹھی ۔

''مزنہ''

''جی دادی آجائیں"

دادی اس کے قریب آ کر بیٹھ گئیں۔ چند لمحے اسے دیکھتی رہیں، پھر نرمی سے پوچھا۔

''ایک بات پوچھوں؟''

مزنہ نے ان کی طرف دیکھا۔

''جی۔''

''تم نے ارمان اور فاریہ کی شادی کی شرط کیوں رکھی تھی؟''

وہ نظریں جھکا کر ناخنوں کے کنارے سے کھیلنے لگی۔

''دادی---''

''ہاں بیٹا؟''

مزنہ نے گہری سانس لی۔

"میں چاہ کر بھی اپنی بہن سے نفرت نہیں کر پا رہی ---لیکن اسے معاف کرنا بھی میرے لئے آسان نہیں ---اسے سبق سکھانا بھی ضروری ہے"

دادی اسے خاموشی سے دیکھتی رہیں۔

مزنہ کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

"مجھے نہیں پتا وہ شیطان کے بہکاوے کیسے آگئی مگر اس غلطی کی سزا اسے لالہ نے بہت بھیانک دینی تھی کسی بھی راہ چلتے کے ساتھ اسے بیاہ دیتے --وہ سدھرنے کے بجائے ہم سب سے اور نفرت کرنے لگتی ۔ا ارمان بھی دودھ کا دھلا نہیں تھا اسے بھی سزا ملنی چاہیئے تھی ---لالہ نے ٹھیک کہا تھا صرف فاریہ کا قصور تو نہیں تھا --رشتوں کے تقدس کو ارمان نے بھی پامال کیا ہے ---وہ بھی برابر کا شریک ہے ۔"

دادی نے اس کے نم چہرے کو دیکھا تو ان کے دل میں بھی درد کی ایک لہر اٹھی۔ وہ جانتی تھیں کہ مزنہ

کے لفظوں میں جتنی تلخی تھی، اس کے دل میں بہن کے لئے اتنی ہی نرمی باقی تھی۔

''تمہارے دل میں ابھی بھی ان دونوں کے لیے بہت کچھ باقی ہے مزنہ۔''

وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔

''نہیں دادی...اب کچھ بھی نہیں۔''

''تو پھر ان کے لیے اتنا سوچ کیوں رہی ہو؟''

"میں شاید لالہ کی طرف سے خوفزدہ تھی کہ وہ فاریہ کو کوئی بڑی سزا نہ سنا دیں--وہ چھوٹی ہے دادای بہک گئی ہے ٹھوکر لگے گی تو اسے رشتوں کی قدر ایک دن ضرور ہو گی --- بس آپ اللہ سے دعا کریں کے میرے دل میں تھوڑی گنجائش پیدا ہوجائے ، مجھے صبر آجائے اور میں دونوں کو معاف کردوں --- میں صابر رہنا چاہتی ہوں --- جابر نہیں بننا چاہتی"

وہ دادی کی گود میں سر رکھے اپنے آنسو چھپا رہی تھی ۔

مگر دادی جانتی تھیں وہ رو رہی ہے ۔

زندگی میں کبھی کبھار حالات اتنے مشکل اور بے رحم ہو جاتے ہیں کہ انسان خود سے بھی سوال کرنے لگتا ہے اور امید رکھنا بھی ایک مذاق سا محسوس ہوتا ہے. لیکن اس سب کے باوجود دل کے کسی کونے میں یہ یقین برقرار رہتا ہے کہ ہر بند دروازہ کہانی کا اختتام نہیں ہوتا. شائد ہمارے رب نے ابھی تک منظر مکمل نہیں کیا اور ہماری کہانی کا سب سے خوبصورت باب تقدیر کے پردے کے پیچھے چھپا بیٹھا ہے.

)لمحہ فکریہ(



صبح ناشتے کی میز پر گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ شہروز خان کی طبیعت ناساز تھی اور بلڈ پریشر ہائی ہونے کے باعث وہ اپنے کمرے میں آرام کر رہے تھے۔ ارشام خاموشی سے کرسی پر بیٹھا ناشتہ کر رہا تھا، جبکہ بی جان تسبیح کے دانے گھماتے ہوئے بار بار اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔۔۔اس کے چہرے پر نہ تو کوئی اداسی تھی نہ ہی کوئی جگ رتے کی نشانی ۔۔۔

زارا نے بالآخر خاموشی توڑی۔

"کتنی خاموشی ہے گھر میں ۔۔۔میرا تو دل دہل رہا ہے پتا نہیں رات بچیوں کو نیند بھی آئی ہو گی نہیں"

وہ ارشام سے مخاطب تھیں مگر اس کی ان کی طرف کوئی توجہ نہیں تھی ۔

"ارشام میں سوچ رہی تھی آج حیدر کی طرف چلتے ہیں میں کچھ بنا کر بھی لے جاؤں گی نیا گھر ہے پتا نہیں نورین نے کچھ پکایا بھی ہو گا یا نہیں"

ارشام اب بھی خاموش رہا مگر بی جان نے اپنی تسبیح کتے دانوں کو زور سے گھماتے ہوئے کہا۔

"دو دو جوان ہٹی کٹی بچیاں ساتھ ہیں کچھ نہ کچھ تو کھا لیا ہو گا تمہیں کس بات کا پیٹ درد اٹھ رہا ہے ؟"

ان کا بس چلتا تو تسبیح کے دانوں کی جگہ زارا کی گردن ہی مڑوڑ دیتیں ۔۔

زارا نے ناگواری سے ساس کی طرف دیکھا اور ارشام سے ایک بار پھر مخاطب ہوئیں ۔

"اچھا آہانہ کو ہی لے آو یہاں ۔۔میں اداس ہو گئی ہوں ساری رات مجھے نیند نہیں آئی اسکا چہرہ گھومتا رہا ہے آنکھوں کے آگے"

بی جان نے دوبارہ ٹوک دیا۔

"اچھا تمہیں کیا وہ پہلے روز لوری سنایا کرتی تھی جو ساری رات نیند نہیں آئی"

زارا اب بی جان کے بار بار ٹوکنے پر کوفت ہو رہی تھی ۔زارا نے ارشام کا بازو زور سے ہلایا ۔۔

"ارشام میں تم سے بات کر رہی ہوں"

URDU NOVELS MAG

"آپ کو حشام لے جائے گا"

ارشام نے چائے کا کپ میز پر رکھا۔

"کیوں تمہیں کیا ہے ؟"

زارا نے بغور اس کا چہرہ دیکھا وہاں نہ کوئی اداسی تھی نہ کوئی بیچینی ہاں البتہ تیسرا جذبہ کوفت کا ضرور نظر آیا

۔

ارشام نے نپے تلے انداز میں نیپکن سے انگلیاں صاف کیں اور کرسی سے ٹیک لگا لی۔

''کیونکہ میرا وہاں جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔''

زارا نے حیرت سے اسے دیکھا۔

مگر بیٹا وہ آہانہ کا گھر ہے جو تمہاری بیوی ہے۔''

ارشام کے چہرے پر تلخ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''بیوی؟''

اس نے جیسے لفظ کو چبا کر دہرایا۔

''امی، بیوی وہ ہوتی ہے جو اپنے شوہر کے ساتھ کھڑی رہے اس کے منع کرنے کے باوجود اسے تنہا چھوڑ کر نہ چلی جائے۔''

''ارشام اب تم زیادتی کر رہے ہو وہ اپنے باپ کے ساتھ گئی ہے اور ابھی تمہاری رخصتی نہیں ہوئی تھی جو تم یہ سڑا ہوا منہ بنا کر بیٹھے ہو۔"

''امی میں نے صاف کہا تھا کہ وہ نہیں جائے گی۔ لیکن اسے میری بات کی کوئی پروا نہیں تھی۔ تو اب میں کیوں اس کے پیچھے جاؤں؟''

زارا نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔

"دماغ درست ہے تمہارا ؟"

"ہاں بلکل درست ہے اور مجھے اچھے سے پتا ہے میں کیا بول رہا ہوں"

ارشام کرسی سے اٹھتا ہوا زارا کے ہوش اڑا گیا تھا۔

بی جان کے لبوں پر دبی دبی مسکراہٹ پھیل گئی۔ انہوں نے موقع غنیمت جانتے ہوئے تسبیح ایک طرف رکھی۔

"بڑے کچے رشتے ہوتے ہیں۔ ذرا سی بات پر بکھر جاتے ہیں۔ چھوڑ گئی نا تمہاری بہو؟ اتنی محبت کا دعویٰ تھا کہاں گئی وہ محبت؟"

بی جان نے اپنی ٹانگ اڑانا ضروری سمجھا۔

زارا نے خود کو کچھ بھی کہنے سے باز رکھا۔۔

"ہاں، بی جان آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ میں ہی غلط تھا۔۔۔آپ تو سمجھاتی رہیں مجھے اور اس کے لئے میں نے آپ سے کتنی بار جھگڑا بھی کیا۔۔۔میں بہت شرمندہ ہوں آپ سے"

بی جان کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

انہوں نے شاید پہلی بار ارشام کو اس طرح اپنی بات سے اتفاق کرتے دیکھا تھا۔

"میں سمجھتا تھا کہ محبت میں انسان ایک دوسرے کے لیے کچھ بھی کر گزرتا ہے۔ لیکن یہاں تو ایک معمولی سی بات پر رشتہ چھوڑ کر چلی گئی۔ اب میں بھی کسی کے لیے اپنی زندگی مشکل نہیں بناؤں گا۔"

زارا نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے، ارشام؟ یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

''وہی جو آپ سننا نہیں چاہتیں، امی۔ اب مجھے نہ آہانہ سے کوئی شکایت ہے، نہ اسے واپس لانے کی خواہش۔ جسے میرے ساتھ نہیں رہنا، اسے زبردستی روکنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔''

زارا خاموش نگاہوں سے اسے جاتا دیکھتی رہ گئیں۔

''یہ کیا ہو گیا ہے میرے بیٹے کو؟''

ان کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔

بی جان نے تسبیح دوبارہ ہاتھ میں اٹھائی۔ ان کے چہرے پر ایسی طمانیت تھی جیسے کوئی بہت بڑی جنگ جیت لی ہو۔

آخرکار ارشام بدل گیا تھا!۔

بی جان کے اندر تو خوشی کے فوارے پھوٹ رہے تھے۔

جس آہانہ کے نام پر وہ کبھی ان کے سامنے دیوار بن کر کھڑا ہو جاتا تھا، آج اسی کا نام سن کر اس کے لہجے میں نفرت اتر آئی تھی۔ حیدر کے لیے بھی اس کے دل میں بدگمانی پیدا ہو چکی تھی۔

ارشام اور آہانہ کا رشتہ ختم کروانا تھا۔۔۔ اور پھر ارشام کی دوسری شادی۔

شہروز خان کو یہ خبر کس قدر توڑ دے گی، اس کا خیال آتے ہی ان کے چہرے پر ایک معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آہ ۔۔۔ شہروز خان آہ ۔۔۔۔۔ذرا دیکھو تمہارے گلشن کے پھول میں نے کیسے بکھیر دیئے ہیں ۔۔۔"

وہ اپنی جیت کی خوشی میں ہنستی جارہی تھیں ۔۔۔

کریم بابا ناشتے کی میز پر برتن سجا رہے تھے کہ اوپر سے قدموں کی آواز سنائی دی۔ فرزام سکندر اپنی کلائی پر گھڑی باندھتے ہوئے سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ سفید شرٹ کی آستینیں کہنیوں تک چڑھی ہوئی تھیں، چہرے پر ہمیشہ کی طرح سنجیدگی تھی، مگر آنکھوں کے گرد پھیلی تھکن اس کی بے خوابی کا پتا دے رہی تھی۔

کریم بابا کی نگاہ اس کے چہرے پر ٹھہر گئی۔

فرزام بلاشبہ خوب صورت تھا۔ وجیہہ، مضبوط خدوخال اور ایسا رعب کہ اس کے سامنے آنے والا بے اختیار محتاط ہو جائے۔ مگر اس کے چہرے پر چھائی ویرانی کریم بابا کے دل میں ایک خاموش درد جگا دیتی تھی۔ وہ جانتے تھے، اس شخص نے زندگی میں بہت کچھ کھویا تھا۔ کچھ دکھ ایسے تھے جن کا ذکر فرزام کبھی نہیں کرتا تھا، مگر کریم بابا اس کی خاموشی میں بھی ان کی آواز سن لیتے تھے۔

URDU NOVELS MAG

فرزام میز کے پاس آ کر کرسی کھینچتے ہوئے بیٹھ گیا۔

''لڑکی کہاں ہے؟''

کریم بابا نے چائے کا کپ اس کے سامنے رکھتے ہوئے جواب دیا۔

"اس کا نام یمنہ ہے"

"جانتا ہوں"

فرزام نے گلا کھنکھارتے ہوئے کہا۔

"میں نے دو مرتبہ ان کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا ہے، مگر اندر سے کوئی آواز نہیں آئی۔''

''تو پھر دیکھا کیوں نہیں؟''

''لڑکی ذات ہے، بیٹا۔ مناسب نہیں لگا کہ میں ان کے کمرے میں چلا جاؤں۔''

فرزام کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

''تو پھر کس طرح دیکھا جائے؟ ہمارے گھر میں کوئی عورت بھی نہیں ہے۔''

وہ قدرے فکرمندی سے پوچھا۔

''وہ ٹھیک تو ہوگی نا؟''

URDU NOVELS MAG

کریم بابا کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔

''بچی ہے، زخمی بھی ہے۔ کہیں بخار نہ ہو گیا ہو۔ میں برابر والے گھر کی ملازمہ کو بلا لیتا ہوں۔ وہ دیکھ آئے گی۔ آپ ناشتہ کریں۔''

فرزام نے کچھ نہیں کہا۔ بس چائے کا کپ اٹھا لیا۔

کریم بابا برابر والے گھر سے ملازمہ کو بلا لائے۔ وہ ان کی پرانی جان پہچان تھی اور انہیں اپنے باپ جیسا احترام دیتی تھی۔ کریم بابا نے اسے مختصراً یمنہ کی حالت بتائی اور اوپر بھیج دیا۔

وہ کمرے میں داخل ہوئی تو یمنہ بستر پر بے سدھ پڑی تھی۔ اس کے چہرے پر غیر معمولی سرخی تھی اور

سانسیں تیز چل رہی تھیں۔

ملازمہ نے آہستہ سے آواز دی۔

یمنہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

ملازمہ نے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا تو گھبرا کر ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔

''یا اللہ اسے تو بہت تیز بخار ہے۔''

وہ نیچے بھاگی آئی۔

فرزام ابھی ناشتے کی میز پر بیٹھا تھا۔ اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

''کیا ہوا؟''

URDU NOVELS MAG

ملازمہ نے تشویش سے بتایا۔

''صاحب جی، ان کو تو بہت تیز بخار ہے۔ بخار میں تپ رہی ہیں"

فرزام نے ہاتھ میں پکڑا کپ میز پر رکھ دیا۔

''اب کیا کیا جائے؟''

کریم بابا نے اس کی طرف دیکھا۔

"وہی جو کرنا چاہیئے ---بیٹا ڈاکٹر کو بلوائیے"

فرزام کے چہرے پر ناگواری ابھری۔ اس نے ایک ہاتھ سے اپنی پیشانی مسلی۔

''کیا مصیبت میرے گلے پڑ گئی ہے مجھے اسے یہاں لانا ہی نہیں چاہیے تھا۔''

''اور کہاں لے کر جاتے آپ اسے؟''

فرزام خاموش ہو گیا۔

کریم بابا نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بات کہا۔

''اس کے پیچھے درندے پڑے ہیں، اس کی جان خطرے میں ہے۔ باپ اس کا رہا نہیں، بہن کو اٹھا کر لے گئے ہیں۔ کس کے سر پر چھوڑ کر آتے اسے؟''

فرزام کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔

کریم بابا کی آواز میں شفقت کے تھی۔

''اور اگر آپ اسے کہیں چھوڑ بھی آتے تو کیا آپ کا ضمیر مطمئن رہتا؟

فرزام نے نظریں پھیر لیں۔

کریم بابا نے ہمیشہ کی طرح اس کے دل کی وہ بات بھی کہہ دی تھی جسے وہ خود سے چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''اب اس کا حل کیا ہے؟ کیا کروں میں؟''

وہ جھنجھلایا ہوا تھا۔

''وہ یہاں ہمیشہ کے لیے تو نہیں رہ سکتی۔ مجھے اس کے لیے کوئی محفوظ ٹھکانہ بنانا پڑے گا۔''

''ابھی اسے ٹھیک ہونے دیجیے، بیٹا۔ اس وقت اسے کچھ مت بتائیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ صدمے سے مر ہی جائے۔''

فرزام نے ناگواری سے انہیں دیکھا۔

''کریم بابا، کیسی بچوں والی باتیں کرتے ہیں آپ؟ مجھے اسے بتانا پڑے گا۔ میں اسے یہاں نہیں رکھ سکتا۔''

کریم بابا نے سینے پر ہاتھ باندھے۔

''تو پھر کہاں رکھیں گے؟''

فرزام خاموش ہوا تو وہ بولتے چلے گئے۔

''ایدھی سینٹر تک بھی وہ پہنچ جائیں گے۔ آپ ہر وقت اس کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ اور اگر آپ اس کی حفاظت کے لیے کسی کو مقرر کر بھی دیں تو کیا ضمانت ہے کہ وہ وڈیرا اسے خرید نہیں لے گا؟ یا

اپنے آدمیوں کو اس کے پیچھے نہیں لگا دے گا؟''

فرزام ان کی بات پر غور کر رہا تھا۔

''وہ لوگ اس بچی تک پہنچ جائیں گے، بیٹا۔ اور آپ ذرا اپنی جگہ پہچانیے۔ آپ پولیس افسر ہیں۔ شاید بھول رہے ہیں کہ بے بس لوگوں کو تحفظ دینا بھی آپ کے فرض کا حصہ ہے۔''

"اگر میں اسی طرح بے بس عورتوں کو سہارا دینے لگ گیا تو بہت جلد مجھ پر تہمتیں لگنا شروع ہو جائیں گی"

''کیا لوگوں کی زبانیں آپ کے فرض سے زیادہ طاقتور ہیں ؟"

کریم بابا نے اس کی دکھتی رگ پر وار کیا تھا۔

فرزام نے گہری سانس لی ---اور سر جھکا لیا --

ٹیبل پر رکھا ناشتہ ٹھنڈا ہو چکا تھا --کریم بابا جانتے تھے اب وہ کچھ نہیں کہے گا --- اور وہی ہوا وہ کچھ دیر بعد وہاں سے خاموشی سے اٹھ گیا تھا ---

فاریہ کے لیے یہ نکاح کسی خواب کی تعبیر نہیں بلکہ ایک بھیانک حقیقت تھا جس نے اس کے قدموں تلے زمین کھینچ لی تھی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ مزنہ غم اور غصے میں اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی ہے، مگر ارمان

کی دھمکی نے اسے احساس دلا دیا تھا کہ اس کی بہن اسے کس قدر بڑی سزا دے چکی ہے۔

نکاح پڑھائے جانے تک وہ مزنہ کو بیوقوف سمجھتی رہی، مگر اس کی خوش فہمی اسی لمحے چکنا چور ہو گئی جب ارمان نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

''تمہاری زندگی جہنم نہ بنا دی تو کہنا۔''

نکاح کے بعد دلشاد خان اور حسن خان نے اعلان کر دیا کہ اب فاریہ اور ارمان سے ان کا کوئی تعلق نہیں رہا۔ وہ دونوں کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتے تھے۔ زاوش نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی، مگر دلشاد خان کسی بات کو سننے کے لیے تیار نہ تھے۔

گھر کی سبھی عورتیں مزنہ کے پاس تھیں۔ فاریہ کو نہ کسی نے مبارک باد دی، نہ کسی نے دعا۔ اسے کسی سے معافی مانگنے کا موقع بھی نہیں ملا تھا۔

تو یہ مزنہ کی طرف سے اس کے لیے سزا تھی۔

وہ دل ہی دل میں مزنہ پر ہنسی تھی، جس نے اپنا حق خوشی خوشی اس کی جھولی میں ڈال دیا تھا۔ بیوقوف ہی تو تھی وہ ،مگر اس کی یہ خوش فہمی بھی بہت جلد ٹوٹ گئی کہ پاگل مزنہ نہیں، وہ خود تھی۔

دوسری طرف ارمان کو منانا بھی ایک مشکل ترین مرحلہ تھا۔ وہ اپنی غلطی ماننے کو تیار ہی نہ تھا، نہ ہی فاریہ کے ساتھ نکاح پر راضی تھا۔ مگر کاظمی صاحب نے اسے دھمکی دے دی تھی کہ اگر وہ آج ان کی عزت نہیں رکھے گا تو پھر ان کے گھر میں قدم نہ رکھے۔

یوں اسے زبردستی یہ ڈھول اپنے گلے باندھنا پڑا۔ اس کی نظر میں تو اس کی غلطی بھی اتنی بڑی نہیں تھی، جتنی بڑی سزا وہ بھگتنے جا رہا تھا۔

رخصتی کے وقت فاریہ نے شکر ادا کیا۔ اب اسے کسی کے سامنے جواب دہ بھی نہیں ہونا تھا، کیونکہ یہ شادی تو خود مزنہ نے کروائی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ سب ایک نہ ایک دن یہ بات بھول ہی جائیں گے۔

گاڑی سے اترتے ہوئے فاریہ نے اپنا دوپٹہ ذرا سا درست کیا اور گھر پر نگاہ دوڑائی۔

یہ وہ گھر نہیں تھا جس کا تصور اس نے ارمان سے شادی کے وقت باندھا تھا۔

اسے لگتا تھا کہ امیر گھرانے میں شادی ہوگی تو شان و شوکت ہوگی، نوکروں کی قطاریں ہوں گی، ہر طرف اس کے ناز اٹھانے والے لوگ ہوں گے۔ وہ بھی کسی شہزادی کی طرح زندگی گزارے گی۔ مگر یہاں آ کر اسے ایک اور حقیقت معلوم ہوئی تھی۔ اسے ایک اور دھچکا لگا تھا۔

اصل دولت اور کاروبار تو زاوش کے حصے میں تھے۔ ارمان ابھی اپنی تعلیم مکمل کر کے واپس آیا تھا اور گھر کے بیشتر معاملات کاظمی صاحب ہی سنبھالتے تھے۔ ارمان کی اپنی کوئی ایسی حیثیت نہیں تھی جس کے سہارے فاریہ نے اپنے خوابوں کی دنیا آباد کی تھی۔

''تو اپنا بدلہ تم نے ایسے لیا ہے، مزنہ؟''

وہ پہلو بدلتی اندر ہی اندر جل رہی تھی۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا؟

اندر داخل ہوئی تو نہ کسی نے خاص گرم جوشی دکھائی، نہ ہی کوئی خوش آمدید کہنے والا ملا۔ اس کے کچی عمر کے خواب ایک ایک کر کے ٹوٹ رہے تھے۔

''تمہارا کمرہ اوپر ہے۔ ارمان اپنے کمرے میں ہے۔''

نازیہ اسے اوپر کا راستہ دکھانے کے بعد خود بھی غائب ہو گئیں۔ نہ کسی نے اسے گلے لگایا، نہ کسی نے اس کے ہاتھ سے سامان لیا۔

فاریہ نے انہیں جاتے دیکھا، پھر اپنے سامان کی طرف نگاہ کی۔ غصے میں وہ اپنا بیگ سیڑھیوں پر ہی

پھینک چکی تھی۔ اب خود بھی وہیں بیٹھ کر اپنی قسمت کا ماتم کرنے لگی۔

اس کا دل چاہا کہ وہ اونچی اونچی آواز میں چیخ کر روئے۔

''مزنہ تم نے اچھا نہیں کیا میرے ساتھ۔۔۔''

وہ اپنی بے قدری پر بلک رہی تھی۔

فاریہ جیسی لڑکیاں رشتوں کو محبت سے نہیں، اپنے فائدے کے ترازو میں تولتی ہیں۔ انہیں دوسروں کی خوشیاں چھینتے ہوئے احساس نہیں ہوتا، مگر جب وہی محرومی ان کے حصے میں آتی ہے تو دنیا انہیں بے رحم دکھائی دینے لگتی ہے۔ وہ سمجھتی ہیں کہ ہر چالاکی کامیابی ہے، ہر دھوکا ذہانت مگر بھول جاتی ہیں کہ وقت جب حساب مانگتا ہے تو انسان کو اپنے ہی کیے کی قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔

)لمحہ فکریہ(

URDU NOVELS MAG



رویان کی خوشی آج اپنے عروج پر تھی۔

وہ کبھی صوفے پر اچھلتا، کبھی زاوش کے پاس آ کر بیٹھ جاتا اور کبھی اپنی ننھی ننھی ہتھیلیاں آپس میں ملتے ہوئے ایسے مسکراتا جیسے دنیا کی سب سے بڑی خوش خبری اسی کے حصے میں آئی ہو۔

زاوش اسے دیکھ کر مسلسل مسکرا رہا تھا۔ بچے کی آنکھوں میں چمکتی خوشی اس کے دل تک اتر رہی تھی۔۔۔شاید آج جاذب بھی خوش ہو گا۔۔ دوست کے ذکر پر اس کی آنکھیں بھر آئیں۔۔

''آپ کو پتا ہے؟''

رویان نے اس کے قریب آ کر رازدارانہ انداز میں کہا۔

زاوش نے ابرو اٹھائے۔

''کیا پتا ہے مجھے؟''

''میں نے گھر آ کر اللہ جی سے کتنی دعائیں مانگی تھیں کہ یمنہ آنٹی میری ممی بن جائیں۔''

زاوش کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

رویان نے دونوں ہاتھوں سے اس کے بازو کو پکڑا اور جوش سے بولا۔

''And guess what? ''

''اللہ جی نے میری ساری باتیں سن لیں''

پھر اس نے اپنی آنکھیں پھیلاتے ہوئے کہا۔

''کتنے اچھے ہیں نا؟''

زاوش بےاختیار ہنس پڑا۔ اس نے رویان کے بکھرے بالوں کو سنوارتے ہوئے اسے اپنے قریب کیا۔

''ہاں بھئی، اللہ جی بہت اچھے ہیں۔''

''تو اب یمنہ آنٹی میری ممی ہیں نا؟''

اس کے سوال ختم ہونے میں نہیں آرہے تھے ۔

زاوش نے ٹائم دیکھا تو وہ جلدی سے کھڑا ہوا۔۔اسے یاد آیا اسے آج مزنہ کو پاسپورٹ اور شناختی کارڈ بنوانے کے لئے جانا تھا۔۔

"رویان آپ دادی کو تنگ نہیں کرنا بریک فاسٹ پورا فنش کرنا میں تھوڑی دیر تک آرہا ہوں ۔۔۔"

"Where are you going baba?"

آپ کی ماما کے ساتھ ۔۔۔

زاوش کو یہ جملہ بولتے ہوئے عجیب سا لگا۔۔۔

"مجھے بھی جانا ہے پلیز"

زاوش نے اسے دیکھا، پھر اس کے قریب آ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

''آپ نے ہمارے ساتھ جا کر کیا کرنا ہے؟''

''میں بھی ماما سے ملوں گا۔''

رویان نے جواب دیا۔

زاوش کے لبوں پر مسکراہٹ ابھری۔ وہ اس کے معصوم چہرے کو دیکھتا رہا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ ایک

چھوٹے سے بچے نے اپنے دل میں اس عورت کے لیے کتنی جگہ بنا لی تھی، جسے اس نے ابھی تک صرف آنٹی کہہ کر پکارا تھا۔

''اچھا اور اگر ماما نے آپ کو اپنے ساتھ لے جانے سے منع کر دیا تو؟''

رویان کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔ اس نے چند لمحے سوچا، پھر معصومیت سے بولا۔

''تو میں انہیں اپنی دعاؤں کے بارے میں بتاؤں گا۔ پھر وہ منع نہیں کریں گی۔''

زاوش بےاختیار ہنس دیا۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کے گال پر بوسہ دیا۔

''اچھا بھئی، پھر آج آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں گے۔ لیکن پہلے ناشتہ ختم کرنا ہوگا۔''

''پکا؟''

''بالکل پکا۔''

رویان خوشی سے اچھل پڑا اور اپنی کرسی کی طرف بھاگا۔

زاوش اسے دیکھتے ہوئے مسکرا دیا، مگر اگلے ہی لمحے اس کی نگاہیں کہیں دور جا ٹھہریں۔ رویان کے لیے یہ سب کتنا آسان تھا۔ اس نے اللہ سے دعا مانگی اور اپنی خواہش پوری ہوتے دیکھ کر خوش ہو گیا، مگر زاوش جانتا تھا کہ دو اجنبی دلوں کے درمیان ایک نیا رشتہ قائم کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔

خصوصاً تب، جب اس رشتے کے ساتھ ایک بچے کی معصوم امیدیں بھی وابستہ ہوں--- نہ ابھی وہ اسے قبول کر پائے گا نہ مزنہ اسے ----اس رشتے کو ابھی بڑا وقت درکار تھا پنپنے کے لئے ۔

ڈاکٹر معائنے کے بعد جا چکا تھا۔ یمنہ کا بخار اب اتر چکا تھا، البتہ جسم میں شدید کمزوری باقی تھی۔ ڈاکٹر نے چند دوائیں تجویز کی تھیں اور مکمل آرام کی تاکید کی تھی۔۔فرزام نے تاکید کی تھی کہ اس کے کھانے پینے کا خیال رکھا جائے ۔

رات سے اب تک ان دونوں کا آمنہ سامنہ نہیں ہوا تھا ۔۔

دروازے پر دستک ہوئی تو یمنہ سیدھی ہو کر بیٹھی ۔

"آجائیں"

یمنہ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔

کریم بابا اندر داخل ہوئے تو ان کے ساتھ ایک لڑکی بھی تھی جس نے ایک ٹرے پکڑ رکھی تھی اس میں سوپ کا پیالہ تھا ۔

"کیسی طبیعت ہے آپ کی ؟"

کریم بابا نے نظر جھکا کر پوچھا ۔

"جی میں بہت بہتر ہوں ۔۔فرزام سکندر کہاں ہیں ؟"

اس کی جلد بازی پر وہ لڑکی مسکراتی ہوئی آگے بڑھی ۔

"آپ پہلے یہ پی لیں"

اس نے سوپ کی ٹرے کو سامنے رکھا ۔

"مجھے نہیں پینا --پلیز مجھے فرزام سے ملنا ہے ان کو بلا دیں"

وہ شور مچانے لگی --

''کیا بات ہے؟ کیوں شور مچا رہی ہو؟''

فرزام کی آواز سن کر یمنہ نے اس کی طرف دیکھا۔

''آپ--- آپ نے کہا تھا آج سارا اور بابا کو ڈھونڈنا ہے۔''

فرزام نے سوپ کے پیالے کی طرف اشارہ کیا۔

''اگر وہ زندہ ہوئے تو میں ڈھونڈ لوں گا۔ اب یہ پیو۔''

''آپ میرے بابا کے لیے کیسے الفاظ استعمال کر رہے ہیں؟''

''میں حقیقت بتا رہا ہوں۔ خود کو ہر صورتِ حال کے لیے تیار رکھو۔''

اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔ یمنہ کا چہرہ افسردہ ہو گیا۔

''اب یہ پیو۔''

''نہیں، مجھے نہیں پینا۔''

''نہیں؟''

فرزام نے ابرو اٹھائے۔

''نہایت ڈھیٹ اور ضدی ہو۔ ٹھیک ہے، میں بھی نہیں ڈھونڈوں گا تمہارے باپ کو۔''

اس نے کریم بابا کی طرف دیکھا۔

''کریم بابا آپ انہیں کسی ہاسٹل میں چھوڑ کر آئیں۔''

یمنہ کا رنگ فق ہو گیا۔

''نہیں، نہیں ہاسٹل کیوں؟''

''تو کیا ساری عمر یہیں رہو گی؟''

''میرے بابا ڈھونڈ دیں، میں خود چلی جاؤں گی۔''

''پولیس اپنا کام کر رہی ہے۔ شام تک معلوم ہو جائے گا۔"

''شام کو بابا آ جائیں گے نا ؟"

وہ بچوں کی طرح امید لگاتے ہوئے بولی --

کریم بابا کے دل کو کچھ ہوا۔ وہ اس معصوم امید کا کیا جواب دیتے جس کے پورا ہونے کی اب کوئی ضمانت نہیں تھی۔

''ہاں، آ جائیں گے۔ اب یہ سوپ پی لو۔ ''

فرزام نے اس کی طرف پیالہ بڑھایا۔

یمنہ نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں شکرگزاری امڈ آئی۔

''آپ۔۔۔ آپ بہت اچھے ہیں۔ میں ساری زندگی آپ کے لیے دعائیں کروں گی۔ اللہ پاک آپ پر کوئی مصیبت نہ آنے دے۔ آپ نے میری بہت مدد کی ہے۔ اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے۔''

وہ بے اختیار اسے دعائیں دیے جا رہی تھی۔

URDU NOVELS MAG

فرزام ساکت سا کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

''آمین ،اللہ تمہاری دعائیں قبول کرے بیٹی"

کریم بابا نے بھی مسکرا کر کہا ان کی نگاہ فرزام کے چہرے پر ٹھہر گئی۔

اس کی آنکھوں میں ویرانی اتر آئی تھی۔ یمنہ کے لبوں سے نکلنے والی دعائیں اس کے اندر کسی بند دروازے پر دستک دے گئی تھیں۔

اچانک اسے ایک اور آواز سنائی دینے لگی۔

وہ آواز جو کبھی اس کے کانوں میں زہر گھول دیا کرتی تھی۔

''تم تباہ و برباد ہو جاؤ، فرزام تمہیں کبھی سکون نصیب نہ ہو۔ تم کبھی خوش نہ رہ سکو۔ جس طرح تم نے مجھے برباد کیا ہے، تمہاری زندگی بھی اسی طرح برباد ہو جائے۔''

وہ الفاظ آج بھی اس کے ذہن میں کسی نوکیلے کانٹے کی طرح پیوست تھے۔

اس نے پلکیں جھپکیں اور یادوں کے اس ہجوم کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کی--- یمنہ فرزام کی حالت سے بے خبر سوپ پینے میں مگن اس لڑکی سے چھوٹی چھوٹی باتیں کر رہی تھی ---

''فرزام بابا ؟''

کریم بابا کی آواز پر وہ چونکا۔

''جی ؟''

''آپ ٹھیک تو ہیں ؟''

''جی''

اس نے مختصر جواب دیا۔

''مبارک ہو''

''آپ کے لئے بھی دعا کرنے والے ہاتھ اٹھنے لگے ہیں --''

کریم بابا کہتے ہوئے مسکرائے ---

فرزام نے نظر اٹھا کر پہلے کریم بابا کو دیکھا ---پھر یمنہ کو---

"آج شام تک اسے سچائی معلوم ہو جانی چاہیئے"

وہ انہیں تاکید کرتا ہوا وہاں سے چلا گیا ---

"کیا میں تمہاری ہیلپ کروا دوں ؟"

ہشام زارا کو لے کر آہانہ کی طرف آیا تھا نرمین کو کچن میں دیکھ کر ادھر ہی آ گیا ۔

URDU NOVELS MAG

"ہیلپ ؟؟؟اور وہ بھی آپ ؟"

نرمین نے اسے حیرت سے پوچھا ۔

"ہاں کیوں میں نہیں کروا سکتا ؟"

وہ اس کے ہاتھ سے چھری لیتا ہوا سیب کاٹنے لگا ---

نرمین حیرت سے منہ کھولے اسے مہارت سے سیب کی کٹنگ کرتے دیکھا ۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو نظر لگاؤ گی کیا ؟"

ہشام نے مصنوعی حیرت سے پوچھا --

"بدلے بدلے سے لگ رہے ہیں ؟"

"کیا بدلاو اچھا نہیں لگا ؟"

ہشام کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

''اتنا بھی نااہل نہیں ہوں میں۔''

''مجھے تو آپ پر پورا شک ہے۔''

URDU NOVELS MAG

''اچھا ایک بات بتاؤ۔''

نرمین نے اسے دیکھے بغیر پوچھا۔

''جی فرمائیے۔''

''دل لگ گیا یہاں؟''

نرمین نے گہری سانس لی، پھر ہلکے سے مسکرا کر بولی۔

''نہ بھی لگے تو کیا فرق پڑتا ہے؟ لگانا تو پڑے گا۔''

"سب ٹھیک ہو جائے گا تم سب واپس آو گے اس گھر"

ہشام نے اسی تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"آپ کا دل لگ گیا ؟"

نرمین فروٹ کو پلیٹس میں سجاتے ہوئے بولی ۔

"کس سے ؟"

"گھر میں اور کہاں ؟"

URDU NOVELS MAG

"اداسی ہے ہر طرف ---تمہاری یاد بہت آتی ہے ---اب کوئی بولنے والا ہی نہیں"

اس نے آہستہ سے سر اٹھا کر ہشام کو دیکھا۔

''کیا؟''

ہشام نے سیب کاٹتے ہوئے اسے دیکھا۔

''کیا ہوا؟''

''آپ کو میری یاد آتی ہے؟''

وہ حیران ہوئی --

''ہاں تو؟''

''آپ کو بخار تو نہیں ہے؟''

ہشام کے ہاتھ رک گئے۔

''کیا؟''

''نہیں، میرا مطلب ہے--- آپ کو ہوا کیا ہے؟''

ہشام نے اسے گھورا۔

''میں نے کوئی ایسی بات کر دی ہے؟''

''آپ نے؟ ''

نرمین نے حیرت سے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔

''آپ تو وہی ہیں نا جو میری باتوں سے تنگ آ کر مجھے خاموش کروانے کے بہانے ڈھونڈتے تھے؟''

ہشام کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

''اب تم نہیں ہو تو خاموشی سے بھی تنگ آ جاتا ہوں۔''

''کچھ زیادہ ہی بدل گئے ہیں آپ۔''

ہشام نے مصنوعی سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

اچھا اب اتنا بھی غور و فکر مت کرو مجھ پر بلاوجہ نظر لگاؤ گی ---

وہ مسکراتا ہوا اسے حیران پریشان چھوڑتا باہر نکل گیا تھا ۔

نرمین اب تک حیران تھی آج اسے ہوا کیا ہے ۔

آفس کی راہداری میں غیر معمولی خاموشی تھی۔ شیشے کی دیواروں کے پیچھے ملازمین اپنے کاموں میں مصروف تھے، جبکہ ارشام کے آفس کے باہر اس کا پرسنل اسسٹنٹ کسی فائل میں الجھا ہوا تھا۔

اسی وقت آہانہ وہاں پہنچی۔

''مجھے ارشام سے ملنا ہے۔''

اسسٹنٹ نے فوراً کھڑے ہو کر انہیں سلام کیا۔

''وعلیکم السلام میم! سر اس وقت میٹنگ میں ہیں۔ آپ پلیز ویٹنگ ایریا میں بیٹھ جائیں۔''

آہانہ نے ایک نظر بند دروازے پر ڈالی۔

''میٹنگ کب ختم ہوگی؟''

''تقریباً ایک گھنٹے میں۔''

"آپ ان کو بتائیں آہانہ آئی ہے"

اسسٹنٹ قدرے پریشان ہوا۔

''میم، سر نے خاص طور پر ہدایت دی ہے کہ اس دوران کسی کو اندر نہ بھیجا جائے۔''

''تمہیں معلوم ہے میں کون ہوں؟''

''میم، پلیز سر ناراض ہوں گے۔آپ ویٹ کریں"

آہانہ نے بند دروازے کی طرف دیکھا۔

''میں نے آپ سے اندر بھیجنے کو نہیں کہا۔ صرف اتنا کہا ہے کہ انہیں بتا دیں میں آئی ہوں۔''

''میم، پلیز سر میٹنگ میں ہیں۔ آپ ویٹ کر لیں، میں خود آپ کو اطلاع دے دوں گا۔''

آہانہ کے چہرے پر ناگواری ابھری۔

''میں یہاں کسی اپائنٹمنٹ کے لیے نہیں آئی۔''

''میم، سر ناراض ہوں گے۔''

آہانہ نے اس کی طرف دیکھا۔

"بھاڑ میں جایئں تمہارے سر"

وہ دندناتی ہوئی ارشام کے کیبن کی طرف بڑھ گئی تھی ---

ارشام منہ نیچے کیئے فائلز دیکھنے میں مصروف تھا جب دروازہ زور سے کھلا اور ایک ساتھ سب کی نظریں دروازے پر جم گئیں۔

اس نے بے اختیار سر اٹھایا تو سامنے آہانہ کھڑی تھی۔ چہرے پر واضح خفگی،آنکھوں میں شکایت اور قدموں میں بے باکی تھی۔ اس کے یوں اچانک اندر آنے پر میز کے گرد بیٹھے افراد بھی ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

"آہانہ"

ارشام زیر لب بڑبڑایا ---وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کبھی یوں بھی اس کے روبرو آئے گی ۔

ارشام نے ایک نظر آہانہ کو دیکھا، پھر سامنے بیٹھے لوگوں کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کے چہرے پر ناگواری کی سخت لکیر ابھری۔

''آپ سب چند منٹ کے لیے ہمیں اکیلا چھوڑ دیں۔''

سب لوگ خاموشی سے اٹھنے لگے۔ آہانہ اپنی جگہ کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ وہ چاہتی تھی کہ ارشام ایک بار اسے دیکھ کر مسکرائے، یا کم از کم اس کی آمد پر حیرت کے بجائے خوشی کا کوئی تاثر دے، مگر اس کے

چہرے پر تو اجنبیت چھائی ہوئی تھی۔

آہانہ نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ اس کے سامنے آ تو گئی تھی، مگر اب سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس بے اعتنائی کا جواب کس طرح دے۔

ارشام نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی اور سرد لہجے میں پوچھا۔

"یہ تمہارے آنے کی جگہ ہے ؟؟؟ کیوں آئی ہو یہاں ؟"

آہانہ کی بھنویں تن گئیں۔

"بی جان کو کیا کہا آپ نے ؟"

"اوہ -- تو خبر پہنچ گئی تم تک -- جب سب کچھ جانتی ہو تو کیوں پوچھ رہی ہو ؟"

''میں نے پوچھا ہے کہ آپ نے بی جان سے کیا کہا ہے؟''

''جو کہنا چاہیے تھا، وہی کہا ہے۔''

''کم از کم مجھے اتنا تو بتا دیجیے کہ میں نے ایسا کیا کیا ہے جس کی سزا آپ مجھے دے رہے ہیں؟''

''ہر بات کا جواب دینا ضروری نہیں ہوتا، آہانہ''

''لیکن ہر بات کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے۔ اور میں وہی وجہ جاننا چاہتی ہوں۔''

''تمہیں جو سمجھنا ہے سمجھو۔ مجھے وضاحتیں دینے کی عادت نہیں۔''

آہانہ کے چہرے پر بے یقینی ابھری۔

یہ وہی ارشام تھا جو کل تک اس کے لئے پوری دنیا سے لڑ جاتا تھا ---

وہ ارشام کے قریب آتی اس کے دل کے مقام پر ہاتھ رکھ گئی ---

"میں تو یہاں تھی نا آپ کے دل م -----کب نکال باہر کیا؟"

آہانہ نے اس کے سینے پر رکھا ہاتھ ذرا سا دبایا۔

''مجھے تو خبر ہی نہیں ہوئی کہ کب میرے لیے اس دل میں جگہ کم پڑ گئی۔ کب میری باتیں آپ کو بوجھ لگنے لگیں، کب میری موجودگی آپ کو ناگوار گزرنے لگی---''

اس کی آواز آخری جملے پر لرز گئی۔

''آپ ناراض ہوتے تو منا لیتی، خفا ہوتے تو وجہ پوچھ لیتی، مگر یہ جو آپ اجنبی بن کر سامنے کھڑے ہو گئے ہیں نا--- اس کا کیا کروں؟ کس سے شکایت کروں کہ میرا اپنا ہی مجھے اپنا نہیں سمجھ رہا؟''

"آہانہ گھر جاؤ ---"

ارشام نے اس کا ہاتھ دل کے مقام سے ہٹایا۔

''کس کے لیے بدل گئے ہیں آپ؟ کیوں نظریں چرا رہے ہیں مجھ سے؟ کیا کوئی اور عورت دل کو بھا گئی ہے آپ کے ؟''

''آہانہ''

وہ دھاڑا تھا۔

آہانہ کی پلکیں بھیگ گئیں۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی، جیسے یقین کرنا چاہتی ہو کہ واقعی یہ وہی ارشام ہے جس کے لیے اس نے ہمیشہ اپنے دل میں ایک الگ جگہ محفوظ رکھی تھی۔

''کیوں؟ غلط پوچھ لیا؟''

اس کی آواز دھیمی پڑ گئی۔

''آپ کے بدلتے ہوئے رویے نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کیا ہے۔ میں آپ کی بیوی ہوں، ارشام کوئی اجنبی نہیں کہ آپ کے چہرے پر لکھی بے رخی بھی نہ پڑھ سکوں۔''

''آپ کی خاموشی مجھے ڈرا رہی ہے--- آپ کی بے رخی مجھے اندر سے کھا رہی ہے۔ اور سب سے زیادہ تکلیف اس بات کی ہے کہ جس شخص کے سامنے میں اپنے ہر خوف کی پناہ مانگتی تھی، آج اسی شخص سے خوف کے محسوس کر رہی ہوں۔''

ارشام نے نظریں دوسری طرف پھیر لیں۔

آہانہ نے اس کے اس ایک عمل کو بھی محسوس کر لیا۔

''دیکھیے پھر نظریں چرا لیں آپ نے--- میری آنکھوں میں دیکھ کر کہیے کہ میں غلط سوچ رہی ہوں۔ پہلے والے ارشام کی طرح میرا ہاتھ تھام کر بتائیے کہ کچھ نہیں بدلا۔''

اس کی آنکھ سے ایک آنسو پھسل کر گال پر بہہ نکلا۔

URDU NOVELS MAG

''مجھے کام کرنا ہے آہانہ تم گھر جاؤ۔''

آہانہ کے چہرے پر ٹھہری امید آہستہ آہستہ بجھ گئی۔

''ٹھیک ہے--- چلی جاتی ہوں۔''

اس نے اپنا دوپٹہ درست کیا اور ایک قدم پیچھے ہٹی۔ لیکن ایک بات یاد رکھیے گا میں آپ کو اتنا جانتی ہوں کہ آپ کے بدلنے کی وجہ کوئی عورت نہیں ہو سکتی۔ بس یہ سمجھ نہیں آ رہا کہ آپ مجھ سے چھپا کیا رہے ہیں؟''

ارشام نے سر اٹھایا۔ وہ اسے جاتا دیکھ رہا تھا ۔

دروازہ بند ہوا تو کمرے میں گہری خاموشی اتر آئی۔

ارشام نے پورے ٹیبل کا سامان نیچے الٹ دیا---

اپنی ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی --- اس کے آنسو اس کا سینہ چاک کر رہے تھے --

''تمہیں کیا معلوم تم سے نظریں چرانا میرے لیے کتنا مشکل ہے۔''

وہ زیرِ لب بولتا ہوا دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ گیا۔

بی جان شہروز خان کے پاس بیٹھی تسبیح کے دانے گھما رہی تھیں۔ شہروز خان سامنے بیٹھے پھل کھا رہے تھے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ بینا کئی لمحوں سے کچھ کہنے کی کوشش کر رہی ہیں۔

''کیا بات ہے؟ کچھ کہنا چاہتی ہو؟''

''جی، ایک بات کہنی تھی، مگر آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

وہ اپنے لہجے میں بلا کی فکرمندی سموئے ہوئے تھیں۔

''میں ٹھیک ہوں، تم کہو، کیا بات ہے؟''

بی جان نے ان کی طرف دیکھا، پھر نظریں جھکا لیں۔

''کیا میں کچھ دنوں کے لیے رائمہ کو یہاں لے آؤں؟''

شہروز خان کا ہاتھ وہیں رک گیا۔ انہوں نے سر اٹھا کر بینا کو دیکھا۔

''کیا تم پاگل ہو گئی ہو؟ اُس ناپاک خون کو اس گھر میں لانا چاہتی ہو؟''

بی جان کی انگلیاں بے اختیار ایک دوسرے میں پیوست ہو گئیں۔ یہ انسان آخر انہیں اور کتنا ذلیل

کرے گا؟ آخر کب تک؟ انہوں نے تسبیح کے دانوں کو اپنی مٹھی میں اس قدر زور سے جکڑ لیا کہ انگلیوں کے پورے سفید پڑ گئے۔

ان کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہو رہا تھا، مگر وہ اب بھی خود کو سنبھالے ہوئے تھیں۔

''وہ بہت بیمار ہے، خان۔''

برداشت کی آخری حد کو چھوتے ہوئے وہ بہت احتیاط سے بولیں۔

''تو اسے بھی اپنی ماں کی طرح مر جانے دو۔''

شہروز خان کے الفاظ نے ان کے دل پر ایک گہری ضرب لگائی تھی۔ چہرے پر پھیلی سختی کے باوجود ان کی آنکھوں میں ماضی کی کوئی پرانی چبھن جاگی اور پھر دب گئی۔

''خان دل نہیں کانپتا آپ کا ایسے سفاک الفاظ استعمال کرتے ہوئے؟''

نظریں نیچی کیے وہ شکوہ کرنے لگیں۔ اپنے آنسو وہ اس ظالم و سفاک انسان کو دکھانا نہیں چاہتی تھیں۔

''آج پھر سے پاگل پن کا دورہ پڑا ہے تمہیں؟ تمہارا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ کیوں بھول جاتی ہو تم؟''

''نہیں بھولی، کچھ نہیں بھولی، خان سب یاد ہے، مگر کیا کروں؟ دل پر میرا اختیار نہیں ہے۔''

''تو اپنے اس دل کو سمجھا دو کہ رائمہ بھی اپنی ماں کی طرح مر چکی ہے۔''

وہ سفاکی سے کہتے ہوئے پھلوں کی پلیٹ پیچھے سرکا چکے تھے۔

''شہروز خان اپنے الفاظ پر ذرا غور تو کیجیے۔''

نہ چاہتے ہوئے بھی ایک آنسو ان کی آنکھ سے ڈھلک ہی آیا تھا۔

''کیا نظرِ ثانی کروں؟ ہاں؟ بتاؤ، کیا غلط کہا ہے میں نے؟ اپنی ماں کی طرح ہی ہوگی وہ، آوارہ اور

بدچلن---''

ان کی آواز میں تلخی بڑھ گئی۔

''خان آپ تہمت لگا رہے ہیں۔ مت بھولیں، اگر آپ میری بات مان لیتے تو وہ سب کبھی نہ ہوتا۔''

بی جان نے پہلی بار اپنی آواز قدرے بلند کی۔

''میں تہمت نہیں لگا رہا، حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ اور آج اتنے برس بعد تمہیں اپنا وعدہ کیوں یاد نہیں رہا؟ اُس وقت تو تم نے خود کہا تھا کہ اس معاملے کا کوئی ذکر نہیں ہوگا۔ پھر آج اچانک تمہیں اس لڑکی کی فکر کیوں ستانے لگی ہے؟''

''اتنی زیادتی مت کیجیے، شہروز خان۔''

بی جان نے ایک بار پھر التجا کی۔

''بینا پاگل مت بنو۔''

''خان اب تو وہ وجہ بھی باقی نہیں رہی جس کی وجہ سے آپ کی عزت پر حرف آنے کا اندیشہ تھا۔ وہ وقت گزر چکا ہے۔ اس بچی کا تو کوئی قصور نہیں ہے۔''

''بینا''

وہ سختی سے پکارے۔

''میں اسے اپنی اولاد کے درمیان نہیں لا سکتا۔''

''کون سی اولاد، شہروز خان؟ وہ اولاد جو اپنے باپ کی شکل دیکھنے کو تیار نہیں؟ جن کے لیے آپ کی موجودگی اور غیر موجودگی میں کوئی فرق نہیں رہا؟ آپ نے انہیں اپنے قریب رکھنے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا، مگر کیا حاصل ہوا؟''

''اپنا منہ بند رکھو''

وہ اپنی اولاد کے بارے میں ایک لفظ بھی کیسے سن سکتے تھے ؟

''خوب کہا جب اپنی اولاد کی باری آتی ہے تو آپ میرا منہ بند کروا دیتے ہیں۔ حیدر اور سروش کی پرورش کی قسمیں کھائی تھیں آپ نے۔ کیا ہوا؟ میرا خون تو گندا اور ناپاک تھا نا؟ آپ کے خون کو کیا ہوا؟''

شہروز خان نے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔

''تم میرا مقابلہ کرو گی؟''

''نہیں، میری ایسی کوئی خواہش نہیں۔ اس عمر میں مقابلے نہیں ہوتے، نتائج نکلتے ہیں، خان جی خیر، میرا مقصد آپ کو شرمندہ کرنا نہیں تھا۔ آپ کا اور آپ کی اولاد کا معاملہ ہے۔ میں نے ہمیشہ آپ کی ہر بات کو حرفِ آخر سمجھا ہے اور آپ کی تابع دار رہی ہوں، لیکن اس معاملے میں شاید میں آپ کی بات نہیں مان سکوں گی۔''

شہروز خان نے نگاہ اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''تم جانتی ہو، بینا میں کسی کے لیے اپنے اصول نہیں بدلتا۔''

''جانتی ہوں۔ اسی لیے تو اتنے برس خاموش رہی ہوں۔''

انہوں نے گہری سانس لی۔

''میں وعدہ کرتی ہوں کہ وہ زیادہ دن یہاں نہیں رہے گی۔ اس کے آنے سے گھر کا ماحول بھی خراب نہیں ہوگا۔ وہ چند دن یہاں رہے گی اور اس کے بعد چلی جائے گی۔''

شہروز خان نے بے زاری سے سر پیچھے بیڈ کی پشت سے ٹکا دیا۔

''تم مجھے کسی مشکل میں ڈالنا چاہتی ہو؟ تم جانتی ہو، مجھے تمہارے پچھلوں سے کوئی سروکار نہیں۔''

''جانتی ہوں، خان آپ کو تو مجھ سے بھی کوئی مطلب نہیں رہا۔ اور میرا رہا ہی کون ہے؟''

وہ گہری سانس لیتے ہوئے بی جان کو دیکھ رہے تھے۔ وہ ہمیشہ کی طرح آج بھی ان کی طرف نہیں دیکھ رہی تھیں۔

"بڑھاپے میں یہ ضد لگانا کہاں سے سیکھا؟"

ان کی نظریں اب بھی بی جان کے چہرے پر تھی۔

"ضد نہیں کر رہی آپ جانتے ہیں مجھے ضد کرنا نہیں آتی"

''اگر میں اجازت نہ دوں تو؟''

''اگر آپ میری بات نہیں مانیں گے تو پھر ٹھیک ہے۔ جہاں حیدر یہ گھر چھوڑ گیا ہے، وہیں میں بھی چھوڑ جاؤں گی۔ لوگوں کے آنے جانے سے ویسے بھی آپ کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

"دھمکی دے رہی ہو اس عمر میں؟"

"نہیں -- یہ میری حسرت ہے کہ کبھی میرے جانے سے آپ کو بھی فرق پڑے ،میری آنکھیں اس منظر کی منتظر ہیں جب میرے جانے پر آپ کی آنکھیں بھی نم ہوں گی"

"بینا اب بھی فضول ہی بولتی ہو کبھی ڈھنگ کی بات مت کرنا --"

"شہروز خان فضول بندی ہوں تو فضول ہی بولوں گی نا آپ کیوں اس مجھ سے بحث کر کے اپنا وقت برباد کر رہے ہیں ---دے دیجئے اجازت اس بار"

وہ خاموش ہو گئے۔ کچھ دیر تک کمرے میں صرف دیوار پر لگی گھڑی کی ٹک ٹک سنائی دیتی رہی۔

بالآخر شہروز خان نے ایک طویل سانس خارج کی اور اپنا فیصلہ سنا دیا۔

''ٹھیک ہے--- چند دن کے لیے لے آؤ۔ لیکن میری ایک بات یاد رکھنا، بینا اس گھر میں اس کے آنے سے کوئی نیا رشتہ یا نئی توقع جنم نہیں لینی چاہیے۔ اور وہ گندگی کا ڈھیر مجھے کبھی نظر نہ آئے۔ سمجھی؟''

بی جان کے چہرے پر ہلکی سی آسودگی پھیل گئی۔

''آپ فکر مت کریں، خان وہ کبھی آپ کے سامنے نہیں آئے گی۔ بے فکر ہو جائیں، وہ اپنی اوقات جانتی ہے۔''

یہ کہہ کر بی جان خاموش ہو گئیں۔

شہروز خان نے بیڈ سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں، مگر بی جان کی نگاہیں اب صرف ان کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

''کتنا خوب صورت چہرہ ہے آپ کا، خان--- مگر دل اتنا ہی بدصورت۔ نفرت ہے مجھے اس چہرے سے---

شدید نفرت کبھی اسی چہرے سے میں نے عشق کیا تھا۔ کبھی یہی چہرہ میری زندگی ہوا کرتا تھا---

کبھی اسی شخص سے بے پناہ عشق تھا، جس کے چہرے سے آج نفرت ہے۔

کبھی جس کا وجود زندگی تھا، آج اسی کی قربت بھی اذیت بن چکی ہے۔

وہ جس وجود کو برسوں پہلے اپنی زندگی سے نکال دینے کا فیصلہ کر چکی تھیں، وہ اب دوبارہ اسی گھر کی دہلیز پر آنے والا تھا۔ مگر کس کے تخت کو الٹنا تھا، اس کا فیصلہ قدرت کے ہاتھ میں تھا یا پھر اس آنے والے نئے کردار میں ۔

ارمان کمرے میں داخل ہوا تو فاریہ کو بیڈ پر بیٹھے اپنے دوپٹے کی شکنیں درست کرتے پایا۔ اس کے چہرے پر ایسی بے فکری تھی جیسے وہ کسی ہوٹل کے کمرے میں قیام پذیر ہو اور ارمان اس کا ویٹر ہو۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟''

فاریہ نے نگاہ اٹھائی۔

''نظر نہیں آ رہا؟ دوپٹہ ٹھیک کر رہی ہوں ۔''

"نکلو میرے کمرے سے باہر"

ارمان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بیڈ سے نیچے اتارا ۔

"تو کہاں جاؤں گی میں ؟"

وہ روہانسی ہوئی ۔

"میری طرف سے جہنم میں جاؤ"

وہ چلایا ۔

''لیکن اکیلی نہیں۔ اپنا شوہر ساتھ لے کر جاؤں گی۔ آخر اتنی محنت سے حاصل کیا ہے، مفت میں تھوڑی چھوڑ دوں گی۔''

"زندگی حرام کر دوں گا تمہاری یاد رکھنا"

"مجھے دھمکی مت دیں آپ کی اپنی زندگی کونسی حلال چل ہی ہے گھر والے جتنا آپ کو منہ لگا رہے ہیں میں دیکھ چکی ہوں"

"یار تم کتنی ڈھیٹ ہو ۔۔مطلب تمہیں کوئی پچھتاوا نہیں اپنے کیئے پر ؟"

"میں نے ایسا بھی کیا کر دیا ہے ؟"
فاریہ نے معصومیت سے پلکیں جھپکائیں۔

"کیا کر دیا ہے ؟ اپنی بہن کی جگہ آج تم زبردستی گھس آئی ہو اور پوچھ رہی ہو تم نے کیا کیا ہے ---شرم سے ڈوب مرو ---"

"تو پھر اتنی ہی شرم آپ بھی دکھا کر ڈوب جائیں ---تب یاد نہیں آئی آپ کو شرم جب آپ کو میری بہن موٹی بھینس اور ہتھنی لگی تھی ---یاد دلاؤں کون کونسے القابات سے نوازا تھا اسے ؟"
وہ ارمان سے بھرپور مقابلہ کر رہی تھی ---

ارمان کا چہرہ مزید سرخ ہو گیا۔

''اپنی زبان بند رکھو''

''کیوں؟ سچ بولنے پر بھی پابندی ہے؟ ویسے آپ کی یادداشت کمزور لگتی ہے، چاہیں تو میں آپ کے کہے

ہوئے تمام جملے ترتیب وار سنا سکتی ہوں۔''

''تم صرف ناگن ہی نہیں ڈستی بھی ہو۔۔''

ارمان نے تاسف سے اسے جھٹکا۔

''ایسا ہے تو ایسا ہی سہی پھر بچ کر رہنا میرا زہر لا علاج ہے''

''فاریہ تم ایک دن مجھے پاگل کر دو گی۔''

''ایک دن؟ آپ تو ابھی سے کافی متاثر نظر آ رہے ہیں۔''

''تم دفع ہو جاؤ یہاں سے''

''فلحال تو مجھے بہت نیند آرہی ہے اگر آپ کو جانا ہے تو وہ رہا دروازہ''

''اٹھو یہاں سے''

ارمان اس کے سر پر کھڑا برس رہا تھا۔

''کیا مصیبت ہے؟ ابھی تو لیٹی ہوں۔''

وہ بھی ڈھیٹ بنی رہی

''فاریہ، آخری بار کہہ رہا ہوں، اٹھو''

''اور میں آخری بار بتا رہی ہوں، مجھے نیند آ رہی ہے۔''
وہ تکیے پر سر رکھتے ہوئے آنکھیں موند گئی۔

وہ اسے ٹھیک ٹھاک تپاتی ہوئی بڑے آرام سے بیڈ پر پھیل کر لیٹ چکی تھی ۔مگر وہ یہ بھول گئی تھی کہ وہ اپنے گھر میں نہیں کھڑی جہاں سب اس کی بدتمیزی پر خاموش رہیں گے وہ ارمان تھا اور بلکل اسی کی ٹکر کا تھا اس نے ایک جھٹکے سے اس کا بازو پکڑا اور کھینچتا ہوا دروازے تک لایا ۔

URDU NOVELS MAG

''چھوڑیں مجھے کیا بدتمیزی ہے یہ؟''

''اب پتا چلے گا بدتمیزی کیا ہوتی ہے''
اس نے دروازہ کھولا اور اسے باہر نکال کر دروازہ اندر سے لاک کر دیا۔
فاریہ نے لڑکھڑاتے قدم سنبھالے اور چند لمحے بند دروازے کو گھورتی رہی۔

''بدتمیز کہیں کا''
اس نے دروازے پر دو ہلکی ضربیں لگائیں۔

''ارمان دروازہ کھولیے''

اندر سے کوئی جواب نہیں آیا۔

اس نے بے دلی سے اپنے دو پٹے کو درست کیا اور اردگرد نگاہ دوڑائی۔ راہداری میں مکمل خاموشی تھی۔
اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اب کہاں جائے۔ اپنے گھر میں تو وہ جب چاہتی جس کمرے میں چلی جاتی،
مگر یہاں اپنے شوہر کے کمرے کے دروازے پر بھی اس کا کوئی اختیار نہیں تھا۔
وہ آہستہ سے دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ چہرے پر پھیلی شوخی یکدم ماند پڑنے لگی۔
''کیا واقعی اتنی بری ہوں میں کہ اس گھر میں کوئی مجھے برداشت نہیں کرنا چاہتا؟''
اس نے دل ہی دل میں سوچا، مگر اگلے ہی لمحے سر جھٹک دیا۔
''ہوں گی بری، تو کیا ہوا؟ شادی تو اسی سے ہوئی ہے نا، اب بھگتنا بھی اسی کو پڑے گا۔''
وہ بڑبڑاتی ہوئی دروازے سے پیچھے ہٹی ۔
آج اسے پہلی بار احساس ہوا تھا کہ ارمان نامی یہ مصیبت بھی اس کی طرح آسانی سے ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھا۔اسے اس کمرے میں جگہ بنانے کے لئے کوئی اور حل تلاش کرنا پڑے گا ۔

فاریہ کمرے سے نکلی تو سیدھی کچن کی طرف چلی آئی۔ رات سے اس نے کچھ نہیں کھایا تھا اور اب بھوک باقاعدہ احتجاج پر اتر آئی تھی۔
کچن میں نازیہ کچھ تیار کر رہی تھیں۔ فاریہ کو دیکھ کر انہوں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔
''خیریت؟ کچھ چاہیے؟''
فاریہ نے ذرا جھجکتے ہوئے پیٹ پر ہاتھ رکھا۔

''جی، وہ دراصل مجھے بھوک لگی ہے۔''

نازیہ کے ماتھے پر بل لہرائے ۔

''ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ جاو ناشتہ وہیں آ جائے گا۔''

وہ نہایت روکھے انداز میں بولیں ۔

فاریہ ہرٹ ہوئی اسے کہاں عادت تھی اتنی نفرت کی ۔ عظمیٰ ہی اسے ناشتہ بنا کر دیا کرتی تھی ۔۔اور وہ اسے خوب نخرے دکھایا کرتی تھی ۔۔مگر یہاں تو کوئی اس سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرہا ۔

''جی، شکریہ۔''

وہ کہتی ہوئی ٹیبل کی جانب بڑھی ۔

ڈائننگ ٹیبل پر پہنچ کر ابھی کرسی کھینچ کر بیٹھی ہی تھی کہ سامنے بیٹھے کاظمی صاحب کی نگاہ اس پر پڑی۔ ان کے چہرے پر ناگواری کی واضح لہر ابھری۔ فاریہ نے بھی محسوس کر لیا تھا کہ اس کی موجودگی انہیں ایک آنکھ نہیں بھا رہی۔

وہ خاموشی سے سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

کاظمی صاحب نے اخبار تہہ کیا اور قدرے بلند آواز میں پکارا۔

''نازیہ''

''جی؟''

کچن سے آواز آئی۔

''میرا ناشتہ میرے کمرے میں لے آؤ۔''

فاریہ کی نگاہ بے اختیار ان کی طرف اٹھی۔ وہ اس کی طرف دیکھے بغیر اپنی کرسی پیچھے کر کے اٹھ کھڑے

ہوئے۔

''یہاں بیٹھ کر ناشتہ کرنے کا موڈ نہیں ہے میرا۔''

ان کے الفاظ میں چھپی ناگواری فاریہ سے پوشیدہ نہیں رہی تھی۔

''کیا ہوا ؟''

وہ فکر مندی سے پوچھنے لگیں ۔

''جو کہا ہے وہ کرو، نازیہ''

وہ ٹرے لے کر ان کے پیچھے چلی گئیں۔

فاریہ نے میز پر پڑے خالی برتنوں کو دیکھا، پھر اپنی گود میں رکھے ہاتھوں کو۔

یہ اس کا سسرال میں پہلا دن تھا۔ اسے اندازہ تو تھا کہ اس گھر میں اس کے لیے خوش آمدید کے پھول نہیں بچھائے جائیں گئے، مگر یہاں تو ناشتے کی میز پر بھی اس کی موجودگی کسی کو گوارا نہیں تھی۔

اس نے گہرا سانس لیا اور خود کو سمجھایا۔

''کوئی بات نہیں فاریہ ناشتہ تو کرنا ہے۔''

اس نے میز پر رکھے پانی کے جگ سے گلاس بھرا، مگر پانی پینے کو دل نہیں چاہا۔ نگاہیں بے اختیار اس خالی کرسی پر جا ٹھہریں جہاں ابھی چند لمحے پہلے کاظمی صاحب بیٹھے تھے۔

اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ شادی کے بعد پہلے ہی دن اسے اپنے ہی سسرال میں اجنبیت کا احساس ہوگا۔

''ایسا تو نہیں سوچا تھا میں نے۔۔۔ ایسے خواب تو نہیں دیکھے تھے۔''

اس نے زیر لب کہا اور ایک گہری سانس لی۔

وہ تو سمجھتی تھی کہ شادی کے بعد زندگی میں ایک نیا رشتہ جڑے گا، کچھ نئے لوگ ملیں گے، کچھ نئی خوشیاں ہوں گی۔ مگر یہاں تو ہر چہرے پر اس کے لیے ایک الگ کہانی لکھی تھی، اور ہر کہانی کا اختتام نفرت پر ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔

دوپہر کا وقت تھا۔ پاسپورٹ آفس کے ضروری مراحل مکمل کرنے کے بعد وہ تینوں قریب ہی واقع ایک خوب صورت ریسٹورنٹ میں آ گئے تھے۔

ریان مزنہ کی انگلی تھامے اندر داخل ہوا تو اس کی نظریں سامنے لگے برگر کے اشتہار پر جا ٹھہریں۔

''بابا مجھے برگر کھانا ہے۔''

زاوش نے اس کی طرف دیکھا۔

''ابھی تو راستے میں کھانا کھایا تھا۔''

''وہ کھانا تھا، یہ برگر ہے۔''

مزنہ بے اختیار ہنس دی۔

''واہ کیا منطق ہے جناب کی۔''

زاوش نے سر جھٹکتے ہوئے ویٹر کو آرڈر دے دیا۔ ریان کے لیے برگر، جبکہ مزنہ نے اپنے لیے کھانا منتخب کیا۔

کچھ دیر بعد کھانا میز پر سج چکا تھا۔ ریان اپنے برگر کے ساتھ مصروف ہو گیا جبکہ مزنہ بھی خوش گپیوں کے دوران کھانا کھانے لگی۔

قریب والی میز پر بیٹھی چند نوجوان لڑکیوں کی نظریں بار بار زاوش کی طرف اٹھ رہی تھیں۔۔وہ کم عمر لڑکیوں کا گروپ تھا جو وہاں بیٹھے سب ہی لوگوں پر تبصرہ کر رہی تھیں ۔

''یار وہ دیکھو، کتنا ہینڈسم ہے۔''

ایک لڑکی نے اپنی ساتھی کے کان میں سرگوشی کی۔

''واقعی لیکن اس کی بیوی کو تو دیکھو۔''

دوسری نے مزنہ کی طرف نگاہ ڈالی۔

''آدمی تو اتنا اسمارٹ ہے اور بیوی کا حال دیکھو۔ ایک بچے کے بعد ہی کتنی موٹی ہو گئی ہے۔''

''ہاں، اپنا خیال بھی تو رکھنا چاہیے۔''

ان کی دبی دبی ہنسی کے ساتھ سرگوشیاں بھی جاری تھیں۔

"اپنا خیال نہیں رکھے گی تو شوہر کا دل کسی اور پر آجائے گا"

اب کی بار ان کے لہجے میں فکر بھی تھی ۔۔

مزنہ کے ہاتھ میں پکڑا چمچ یک دم رک گیا۔

اس نے غیر ارادی طور پر ان کی طرف دیکھا، پھر خاموشی سے نظریں اپنی پلیٹ میں گاڑ لیں۔ چند لمحے پہلے تک اس کے چہرے پر موجود مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی۔

زاوش نے ایک نگاہ مزنہ پر ڈالی اور پھر ان لڑکیوں کے ٹیبل کی طرف دیکھا --

وہ ان آوازوں کو سن چکا تھا۔ مزنہ کے چہرے پر آنے والی تبدیلی بھی اس کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہی تھی۔ مزنہ نے کھانا کھانا چھوڑ دیا ہے۔

"کیا ہوا؟آپ کھا نہیں رہیں ؟"

"کچھ نہیں۔"

اس نے مختصر جواب دیا اور پانی کا گلاس اٹھا لیا۔

URDU NOVELS MAG

"کچھ اور آرڈر کر دوں ؟"

اتنی توجہ اور اتنے پیار کی اسے کب عادت تھی ---اس کی آنکھیں بلاوجہ نم ہوئیں ۔

ریان بھی افسردہ سی شکل بنائے مزنہ کو دیکھ رہا تھا ۔

ان لڑکیوں کا تبصرہ اسے بھی اچھا نہیں لگا تھا --

زاوش چند لمحے اسے خاموش دیکھتا رہا۔ پھر اچانک زاوش نے مزنہ کی کرسی اپنی طرف گھسیٹی ---وہ اتنی اچانک ہوئی کروائی کو ابھی سمجھ بھی نہ پائی تھی کہ زاوش نے اس کی پلیٹ اپنی طرف کھینچ لی۔

''یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟''

مزنہ نے اسے پلیٹ میں سے نوالہ بناتے دیکھ کر پوچھا۔

''کھانا کھا رہا ہوں۔''

''لیکن یہ میری پلیٹ ہے۔''

''معلوم ہے۔''

URDU NOVELS MAG

اس نے نوالہ بنا کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

''منہ کھولیں۔''

مزنہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''جی؟''

"وہ لڑکیاں ہمیں ہی دیکھ رہی ہیں کیا آپ چاہتی ہیں کہ وہ مجھ پر ہنسیں ؟"

زاوش نے مزنہ کے کان میں سر گوشی کی ۔ مزنہ نے تھوک نگلتے ہوئے جلدی سے منہ کھولا ۔۔ابھی وہ دوبارہ وہی حرکت کرنے لگا تھا کہ مزنہ اسے ٹوک گئی ۔۔۔

''زاوش سب دیکھ رہے ہیں۔''

''تو دیکھنے دیں۔''

"اچھا نہیں لگ رہا پلیز"

"آپ جب جب کسی کی بات پر ہرٹ ہو کر خود کو سزا دیں گی،تب میں ایسا ہی کروں گا۔

مزنہ ہنس دی۔

زاوش نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا۔

''ان کی باتوں کو دل پر کیوں لے لیا آپ نے؟''

مزنہ نے نظریں جھکا لیں۔

''میں نے کب لیا؟''

''تو پھر کھانا کیوں چھوڑ دیا تھا؟''

''بس ایسے ہی۔''

وہی لڑکیاں جو تھوڑی دیر پہلے مزنہ کے ویٹ پر باتیں کر رہی تھیں اب وہ اس کی قسمت پر رشک کر رہی تھیں ---

"ہائے کتنا رومانٹک ہسبنڈ ہے یار ---کتنے پیار سے کھلا رہا ہے اپنی بیوی کو ----"

تیسری بھی خاموش نہ رہی ---

"کوئی مجھے اتنے پیار سے کھلائے تو میں تو خوشی سے ہی پھول جاؤں"

وہ اب حسرت اور حیرت سے دیکھ رہیں تھیں --

مزنہ کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا ----

"آپ ذرا پلیز تھوڑا دور ہوں --"

مزنہ نے زاوش کو آنکھیں دکھائیں ---

وہ شرارت سے ہنستا ہوا دوبارہ اپنی کرسی دور کر گیا ۔

ریان دنیا سے بے خبر اپنا برگر انجوائے کر رہا تھا --

مزنہ نے دوبارہ چمچ اٹھا لیا۔

قریب بیٹھی لڑکیوں کی میز پر اب خاموشی تھی۔ ان کی نگاہیں کبھی زاوش پر اٹھتیں اور کبھی مزنہ پر، مگر اب مزنہ کو ان کی موجودگی کا احساس بھی نہیں تھا۔

اس کے سامنے بیٹھا شخص اس کے لیے کافی تھا۔

اسے کسی کے سامنے کچھ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ اس کا شوہر اسے صرف اپنے ساتھ بٹھا کر نہیں بلکہ سب کے سامنے عزت دے کر یہ احساس دلا چکا تھا کہ وہ اس کے لیے کتنی اہم ہے۔

اور زاوش؟---وہ بظاہر تو کھانا کھا رہا تھا مگر اس کا دماغ مزنہ میں اٹکا ہوا تھا ----وہ جان چکا تھا کہ اس لڑکی کو بہت سی احساس محرومیاں ہیں، اسے سب سے پہلے اس کی یہ احساس کمتری ختم کرنی ہو گی ---



فرزام سکندر نے اپنے کمرے میں بیٹھے آخری رپورٹ بھی بند کر دی تھی۔ شفاف تفتیش کے بعد اب کوئی ابہام باقی نہیں رہا تھا۔ سارا اسی وڈیرے کے قبضے میں تھی، جبکہ عمیر مفرور تھا۔ صفیہ اپنی بیٹی کی تلاش میں دربدر پھر رہی تھی۔ جس عورت نے کبھی یمنہ کو گھر میں دو وقت کی روٹی کے لیے ترسایا تھا، آج وہ خود لوگوں کے آگے ہاتھ جوڑ رہی تھی کہ کوئی اس کی بیٹی کو چھڑوا دے۔

فرزام نے فائل میز پر رکھی اور چند لمحے خاموش بیٹھا رہا۔

اسے معلوم تھا کہ یمنہ کے لیے یہ خبر آسان نہیں ہوگی۔ ایک طرف باپ کی تلاش تھی اور دوسری طرف اس حقیقت کا سامنا کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہا۔

اس نے موبائل اٹھایا اور کریم بابا کو کال کر دی۔

''بابا، گاڑی تیار کروائیں۔ مجھے یمنہ کو کہیں لے کر جانا ہے۔''

کچھ دیر بعد فرزام یمنہ کے کمرے کے دروازے پر کھڑا تھا۔ وہ بستر پر بیٹھی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر سیدھی ہو گئی۔

''آپ؟''

"چوٹ کیسی ہے ؟"

"جی ٹھیک ہے"

"تیار ہو جاؤ ہم جا رہے ہیں ؟"

''کہاں؟''

''ساتھ چلو گی تو پتا چل جائے گا۔''

یمنہ نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ آج اس کے لہجے میں معمول سے زیادہ سنجیدگی تھی۔

"کیا ابا مل گئے ؟"

فرزام نے اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں۔''

''سچ؟''

اس کی آواز خوشی سے کانپ گئی۔

''آپ کو پتا چل گیا وہ کہاں ہیں؟ وہ ٹھیک ہیں نا؟"

سوال پر سوال کرتی یمنہ کی آنکھوں میں برسوں کی محرومی کے باوجود ایک معصوم سی چمک تھی۔

''یمنہ، چادر لے لو۔''

اس نے بے اختیار اپنے لباس کی طرف دیکھا۔ وہ دو دن سے اسی جوڑے میں تھی ۔

''وہ تو نہیں ہے میرے پاس"

فرزام نے پیچھے کھڑے کریم بابا کو آواز دی ۔

''بابا''

کریم بابا آگے بڑھے۔ ان کے ہاتھ میں ایک کالی چادر تھی۔

''یہ لیجیے بیٹی، یہ اوڑھ لیں۔''

یمنہ نے خاموشی سے چادر تھام لی۔ اسے اپنے سر پر درست کرتے ہوئے اس نے ایک بار پھر فرزام کی طرف دیکھا۔

''اب چلیں؟''

''جی''

وہ ملازمہ کو پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ یمنہ ان دونوں کے ساتھ چلتی رہی۔

راستے بھر یمنہ کبھی کھڑکی سے باہر دیکھتی، کبھی فرزام کی طرف۔ آخر اس سے رہا نہ گیا۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

فرزام نے نگاہ سڑک پر جمائے رکھی۔

فرزام نے کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف گاڑی کی رفتار قدرے کم کر دی۔

''آپ خاموش کیوں ہیں؟''

''یمنہ، وہاں پہنچ کر تمہیں خود سب سمجھ آ جائے گا۔''

''مگر آپ بتا تو سکتے ہیں نا؟''

وہ پھر خاموش ہو گیا۔

کچھ ہی دیر بعد گاڑی ایک قبرستان کے سامنے جا رکی۔

یمنہ نے حیرت سے باہر دیکھا۔ اس کی مسکراہٹ آہستہ آہستہ سمٹنے لگی۔

''یہاں کیوں آئے ہیں ہم؟''

فرزام گاڑی سے اتر چکا تھا۔ اس نے دوسری طرف کا دروازہ کھولا۔

''اترو۔''

یمنہ نے نیچے اترنے کے بجائے پہلے قبرستان کے اندر دیکھا۔ پھر گاڑی سے باہر آ گئی۔

''ابا یہاں ہیں؟''

فرزام نے جواب نہیں دیا۔

وہ ملازمہ کو پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ یمنہ اس کے ساتھ چلتی رہی۔ ہر قدم کے ساتھ اس کے دل میں انجانا سا خوف بڑھ رہا تھا۔

چند قبروں کے بعد فرزام رک گیا۔

سامنے ایک قبر تھی۔ قبر کی تازہ مٹی اس کے حال ہی میں دفن ہونے کی گواہی دے رہی تھی۔

سنگِ مرمر کی تختی پر ایک نام درج تھا۔

"اقبال"

یمنہ کی نگاہ اس نام پر ٹھہر گئی۔

وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی، پھر اس نے فرزام کی طرف دیکھا۔

''یہ--- یہ کس کی قبر ہے؟''

فرزام نے گہرا سانس لیا۔

''تمہارے ابا کی۔''

یمنہ کے چہرے سے جیسے سارا خون نچڑ گیا۔

''نہیں---''

وہ ہزیانی کیفیت میں بدحواس ہوتی چلائی ۔

اس نے سر نفی میں ہلایا ۔

''نہیں، آپ غلط جگہ لے آئے ہیں۔ میرے ابا یہاں نہیں ہو سکتے۔ وہ تو زندہ ہیں۔''

وہ تختی کے قریب جھکی اور انگلیوں سے اس پر لکھا نام چھونے لگی۔

"یہ کوئی اور ہے"

فرزام نے ملازمہ کو اشارہ کیا اسے اٹھانے کا ۔ ۔

''یمنہ---''

''نہیں ''

اس نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

''آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں؟ آپ نے کہا تھا ابا مل گئے ہیں۔ آپ نے کہا تھا آپ انہیں ڈھونڈ لیں گے۔ پھر یہ قبر کیوں دکھا رہے ہیں مجھے؟''

اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

''آپ نے تو وعدہ کیا تھا نا؟ آپ نے کہا تھا شام تک مجھے سچ معلوم ہو جائے گا۔ یہ سچ نہیں ہے۔ یہ کوئی اور اقبال ہوں گے۔ میرے ابا نہیں ہو سکتے۔''

وہ جھٹکے سے اٹھتی ہوئی فرزام سکندر کا گریبان پکڑ گئی ۔

"ہوش میں آو یمنہ --یہی سچ ہے --تمہارے جانے کے بعد وہ وڈیرہ سارہ کو اٹھا لے گیا تھا ---اور تمہارے ابا یہ سب برداشت نہیں کر سکے ---"

قدرت نے ایک اور بھیانک سچ اس کے منہ پر دے مارا تھا --

وہ فرزام کے قدموں میں گری ---

فرزام نے نگاہیں جھکا لیں---اس لڑکی کا دکھ اسے اپنے دل میں محسوس ہوا ۔

وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپائے بلک بلک کر رونے لگی۔

"قبرستان میں ایسے نہیں روتے --خود پر قابو رکھو"

وہ اپنے قدم پیچھے لیتا ملازمہ کو اشارہ کر چکا تھا اسے وہاں سے اٹھانے کا ۔

وہ بے حال سی ہوتی لڑکھڑاتی حالت میں کھڑی ہوئی ۔

"ہمیں یہاں سے جلدی چلنا ہے --"

وہ ہاتھ پیچھے باندھے اس کی حالت دیکھ رہا تھا ۔

"مجھے اپنے ابا کے پاس جانا ہے۔ وہ مجھے کبھی اکیلا نہیں چھوڑتے تھے۔ جب میں ڈرتی تھی تو مجھے اپنے سینے سے لگا لیتے تھے۔ اب میں کس کے پاس جاؤں گی؟ کس کو آواز دوں گی؟"

وہ روتے ہوئے قبر کی طرف بڑھی اور اس کے سرہانے بیٹھ گئی۔ کانپتے ہاتھوں سے قبر کی مٹی پر انگلیاں پھیرنے لگی۔

"اٹھ جائیں نا ابا --- مجھے گھر لے چل۔ مجھے یہاں نہیں رہنا--مجھے ڈر لگ رہا ہے یہاں ابا ---"

فرزام نے رخ دوسری طرف پھیر لیا۔یمنہ کی چادر ڈھلک کر زمین بوس ہوئی تھی ۔

"لڑکی یمنہ کی چادر ٹھیک سے پہناو اسے --ہمیں نکلنا ہے اب"

وہ حکم بجا لاتی جلدی سے یمنہ کی حالت کو درست کرنے لگی ---

"اٹھیں باجی حوصلہ کریں ہمیں یہاں سے جانا ہے"

اس نے پیار سے یمنہ کے گالوں پر ہاتھ رکھا۔

"کیسے حوصلہ کروں؟ میں میرا باپ مرا ہے"

یمنہ اس کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''میں یتیم ہو گئی ہوں--- اب میرا کوئی نہیں رہا۔''

فرزام نے آنکھیں موندیں، پھر اپنا لہجہ سخت کرتے ہوئے بولا۔

''بس کرو یمنہ تمہارے رونے سے وہ واپس نہیں آ جائیں گے۔ اور ابھی تمہیں بہت کچھ سننا اور سمجھنا ہے۔''

اس نے ملازمہ کو اشارہ کیا۔

''انہیں گاڑی تک لے کر جاؤ۔''

ملازمہ نے یمنہ کو سہارا دے کر قبر کے پاس سے ہٹایا تو اس نے ایک بار پھر پلٹ کر اپنے باپ کی قبر کو دیکھا۔

فرزام نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی۔ کچھ ہی دیر میں مغرب ہونے والی تھی۔

یمنہ کو بڑی مشکل سے گاڑی تک پوہنچایا گیا ---

گاڑی کے قریب پہنچ کر فرزام نے پچھلا دروازہ کھولا۔

وہ چپ چاپ بیٹھ گئی ۔

گاڑی کے پچھلی نشست پر بیٹھی یمنہ مسلسل رو رہی تھی۔ کبھی اپنے آنسو پونچھتی، کبھی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگتی۔ اس کی سسکیوں کی آواز وقفے وقفے سے گاڑی کی خاموشی میں گونج رہی تھی۔

فرزام نے ریئر ویو مرر سے ایک نظر اسے دیکھا۔

وہ چند لمحے خاموش رہا، پھر قدرے دھیمے لہجے میں بولا۔

''تمہیں کچھ دن میرے گھر رہنا ہوگا۔ جب تک تمہارے لیے کسی محفوظ جگہ کا انتظام نہیں ہو جاتا۔''

''میں وہاں نہیں رہنا چاہتی۔''

فرزام نے بیک ویو مرر میں اسے دیکھا۔

''تو کہاں جاؤ گی؟''

''میرے ابا کا گھر---''

اس نے بمشکل کہا۔

"وہ گھر بند ہے"

''تو پھر کسی یتیم خانے چھوڑ دیں میں آپ پر بوجھ نہیں بننا چاہتی۔''

وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ آنسو اب بھی اس کے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔

گاڑی اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی اور فرزام کے ذہن میں ایک ہی سوال گردش کر رہا تھا کہ آخر کب تک وہ اس لڑکی کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر اٹھائے رکھے گا؟ وہ اسے اپنے گھر لے تو جا رہا تھا، مگر اس فیصلے کے نتائج سے خود بھی بے خبر تھا۔

شاپنگ مال کی روشنیاں ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ نرمین اور آہانہ پچھلے ایک گھنٹے سے مختلف دکانوں کے چکر لگا رہی تھیں۔ نرمین کبھی کسی ڈریس کو اٹھا کر آہانہ کے سامنے کرتی تو کبھی خود آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر اس کا جائزہ لینے لگتی۔

''آہانہ یہ والا کیسا ہے؟''

آہانہ نے ہاتھ میں پکڑا ہوا دوپٹہ واپس ہینگر پر لٹکایا اور اس کی طرف دیکھا۔

"پتا نہیں"

وہ غائب دماغی سے جواب دیتی ہوئی آگے نکل گئی ۔

"میں تمہیں یہاں تھوڑا فریش ہونے کے لئے لائی ہوں اور تم ہو کہ کسی چیز میں دلچسپی نہیں لے رہی ہو "

نرمین نے تپتے ہوئے سوٹ واپس ہینگ کیا ۔

"نرمین پلیز گھر چلو میرا موڈ نہیں ہے شاپنگ کا"

وہ بجھی بجھی سی بولی --

نرمین نے گہری سانس بھری ---

حوصلہ کرو آہانہ تم تو ہار مان کر بیٹھ گئی ہو ---

نرمین اسے پارکنگ کی طرف لے جاتی ہوئی بولی ---

آہانہ نے کوئی جواب نہیں دیا ---ارشام کی بے رخی اسے پاگل کر رہی تھی ۔

پارکنگ کے قریب پہنچے تو رش کی وجہ سے گاڑی سے ذرا دور کھڑا ہونا پڑا ۔

اسی لمحے آہانہ کی نگاہ سامنے سے گزرتی گاڑی پر پڑی۔

وہ بے اختیار رک گئی۔

''نرمین''

''کیا ہوا؟''

URDU NOVELS MAG

آہانہ نے سامنے اشارہ کیا۔

''وہ گاڑی---''

نرمین نے اس سمت دیکھا۔

''کیا؟''

''یہ ارشام کی گاڑی ہے نا؟''

نرمین نے غور سے دیکھا۔

''ہاں، شاید۔''

آہانہ کی نگاہ گاڑی کے اندر بیٹھے ارشام کے ساتھ بیٹھی لڑکی پر پڑی۔

اس کے قدم وہیں رک گئے۔

''یہ کون ہے؟''

نرمین نے بھی گاڑی کے اندر غور سے دیکھنے کی کوشش کی۔

''تمہیں معلوم ہے؟''

آہانہ نے نفی میں سر ہلایا۔

ارشام اس کی کسی بات پر بے تحاشہ ہنس رہا تھا---

آہانہ کو لگا اسے اگلا سانس نصیب نہیں ہو گا----اس کا دل بری طرح ڈوب رہا تھا--

آہانہ تم ٹھیک ہو؟''

نرمین نے اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے تشویش سے پوچھا۔ اس کا رنگ یکدم پیلا پڑ گیا تھا۔

''یار کوئی دوست ہو گی۔''

نرمین نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''دوست؟ ''

آہانہ نے اس کی طرف دیکھا۔

''ارشام نے آج تک کبھی کسی لڑکے کو دوست نہیں بنایا تو لڑکی؟''

اس کے لہجے میں حیرت سے زیادہ دکھ تھا۔

نرمین نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''اچھا، بس کرو۔ خود کو اس طرح پریشان مت کرو۔ پہلے گھر چلتے ہیں، سکون سے بات کریں گے۔''

''مجھے ان سے کوئی بات نہیں کرنی۔''

وہ بچوں کی طرح روٹھ رہی تھی ۔

''تو مت کرنا، لیکن اس وقت تمہاری حالت دیکھو ذرا۔ تمہارا چہرہ بالکل سفید پڑ گیا ہے۔''

نرمین اسے اپنے ساتھ پارکنگ کی طرف لے چلی۔

آہانہ خاموشی سے اس کے ساتھ چلتی رہی۔

گاڑی میں بیٹھنے کے بعد نرمین نے اس کی طرف دیکھا۔

"ریلکس ہو جاؤ"

"میں ارشام کو چھوڑوں گی نہیں نرمین"

وہ بد حواسی کی حالت میں بولی ۔

نرمین نے اس کے بال ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔

"مت چھوڑنا مگر خود کو تو سزا مت دو"

"میں جان سے مار دوں گی ارشام کو"

نرمین اس بار اس کی کیفیت پر ہنسی --

"مار دینا میری جذباتی بہن مگر پہلے جرم تو ثابت ہونے دو بیچارے کا --ہوسکتا ہے وہ ارشام بھائی نہ ہوں"

"ارشام کی پرچھائی سے بھی میں انہیں پہچان لوں وہ وہی تھے"

آہانہ نے اسے ایک نظر دیکھ کر گاڑی کی سیٹ سے ٹیک لگائی ۔ ذہن میں اب بھی وہی منظر گردش کر رہا تھا۔

ارشام کی گاڑی، ان کے ساتھ بیٹھی وہ خوب صورت لڑکی اور ان کے چہرے پر سجی بے فکری بھری مسکراہٹ---!۔

''ویسے آپ کا نام رائمہ ہے نا؟''

کافی دیر کی خاموشی کے بعد ارشام نے اپنے لب کھولے۔

''جی، رائمہ۔''

ارشام نے اس کے چہرے پر پھیلی گھبراہٹ محسوس کی۔

''آپ اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہیں؟ میں کوئی پولیس انسپکٹر نہیں ہوں جو آپ سے تفتیش کر رہا ہوں۔''

"نہیں -- ہم پہلی بار مل رہے ہیں تو اس لئے"

رائمہ خاصی محتاط دکھائی دے رہی تھی۔ ارشام نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔

''آپ کیا لگتی ہیں بی جان کی؟''

رائمہ نے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں الجھاتے ہوئے جواب دیا۔

''رشتے دار ہوں۔''

''وہ تو معلوم ہے، رشتہ کیا ہے؟''

''آپ بی جان سے پوچھ سکتے ہیں۔''

ارشام نے ایک ابرو اچکائی۔

''اچھا اتنی رازداریاں؟''

''ایسی کوئی بات نہیں۔''

''تو پھر بتانے میں کیا حرج ہے؟''

''مجھے خود نہیں معلوم کہ آپ کو کیا بتاؤں۔''

ارشام اس کے جواب پر مسکرا دیا۔

''دادا جی نے مجھے بتایا کہ آپ بی جان کی کسی دوست کی بیٹی ہیں، مجھے آپ کو لینے بھیج دیا۔''

"آپ کے نقوش بی جان سے بہت ملتے ہیں آپ دوست کی بیٹی تو نہیں لگ رہیں ---"

ارشام کو بات کی تہہ تک پوہنچنا تھا ۔

رائمہ نے پہلو بدلا ---اسے یہ شخص پہلی ملاقات میں ہی خطرناک لگا ۔

"آپ کا گھر کہاں ہے ؟ یہاں شاپنگ مال میں کیوں بلوایا تھا آپ کو پک کرنے کے لئے ؟"

"آپ بی جان سے خود پوچھ لیجئے گا پلیز گاڑی کی رفتار تیز کریں ۔"

وہ جھنجھلاتی ہوئی بولی ۔

ارشام نے گہری نظر اس لڑکی پر ڈالی

''لگتا تھا بی جان نے اسے پہلے ہی اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ اپنا منہ نہیں کھولنا---مجال ہے جو اپنے بارے میں ایک لفظ بھی منہ سے نکالے۔''

ارشام کے دماغ میں رائمہ کی آمد اسے الرٹ کر رہی تھی وہ بظاہر معصوم نظر آنے والی کم عمر لڑکی تھی مگر اس کا تعلق بی جان سے تھا ---اور بی جان نے اسے اسے کسی مقصد کے تحت ہی بلایا تھا ---اسے وجہ جلد از جلد جاننی تھی ۔

ارشام نے مزید سوال جواب کا سلسلہ بند کرتے ہوئے گاڑی کا رخ گھر کی طرف لے لیا ۔



رات کافی گہری ہو چکی تھی۔لان کی جلتی مدھم روشنی کے درمیان فرزام سکندر کرسی پر نیم دراز بیٹھا تھا۔ اس کے کندھوں پر کالی شال پڑی تھی جسے وہ گردن کے گرد لپیٹے کافی کے گھونٹ لے رہا تھا۔ سامنے میز پر چند فائلیں کھلی ہوئی تھیں۔

اسی وقت پیچھے سے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

اس نے نگاہ اٹھائی تو یمنہ سامنے کھڑی تھی۔ اس نے اب تک وہی شال اوڑھ رکھی تھی جو فرزام نے اسے دی تھی۔ البتہ شام والی سہمی ہوئی اور بے بس یمنہ اب کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

''آپ سے ایک بات پوچھنی تھی۔''

فرزام نے کافی کا کپ لبوں سے ہٹایا۔ اور اسے گھورا ۔

"تم اتنی رات میں یہاں کیا کر رہی ہو ؟"

"کچھ پوچھنا تھا آپ سے

''پوچھو۔۔۔اور اپنے کمرے میں جاؤ جلدی"

''پولیس نے اب تک اس وڈیرے کو گرفتار کیوں نہیں کیا جس کے پاس سارہ ہے ؟''

وہ اس کی بات پر چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ اسے یمنہ کی اس جرأت کی توقع نہیں تھی۔

فرزام نے گہری سانس بھری ۔

''کیونکہ اس کے خلاف ہمارے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہیں۔''

یمنہ کی پیشانی پر بل پڑے۔

''ثبوت نہیں ہیں؟''

''پولیس کو بھی ثبوت چاہیے ہوتے ہیں؟''

اس کے لہجے میں حیرت سے زیادہ طنز تھا۔

فرزام نے کافی کا کپ میز پر رکھ دیا۔

''ہمارے ایک مخبر نے اطلاع دی ہے کہ سارہ کو اسی وڈیرے کی حویلی میں دیکھا گیا تھا، مگر یہ اطلاع ابھی تک مصدقہ نہیں ہے۔ ہم نے اپنے ذرائع سے مزید معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن اب تک کوئی ایسا ثبوت ہاتھ نہیں آیا جس کی بنیاد پر باقاعدہ کارروائی کی جا سکے۔''

یمنہ کی پیشانی پر بل پڑے۔

''تو پھر یہ کیوں نہیں کہتے کہ آپ لوگ اس کے خلاف کارروائی کرنے سے ڈرتے ہیں؟''

اس کا لہجہ تھوڑا بلند ہوا۔

فرزام کی نگاہیں اس کے چہرے پر ٹھہر گئیں۔

''اپنے الفاظ کا انتخاب درست رکھو۔''

''کیوں؟ سچ کڑوا لگ رہا ہے؟''

وہ شاید اپنے آپ میں نہیں تھی ۔ شاید وہ ہر شخص سے امید کھوتی جا رہی تھی ۔

''تم شاید نیند میں ہو۔ جاؤ، اپنے کمرے میں اور سو جاؤ۔''

یمنہ کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ ابھری۔

''جس کا گھر اجڑ گیا ہو، جس کا باپ مر گیا ہو، جس کی جوان بہن لاپتہ ہو، آپ کو لگتا ہے وہ سو سکتی ہے؟۔

فرزام چند لمحے خاموش رہا۔

"تمہارے ساتھ جو ہوا اس میں کسی کا کوئی قصور نہیں ہے ---دوسروں کو بلیم دینا بند کرو --ہم یوں ہی کسی کے گھر چھاپے نہیں مار سکتے ---اور فرض کرو میں پولیس کی نفری وہاں بھیج بھی دوں اور اگر تمہاری بہن وہاں نہ ہوئی تو ؟؟---کیا کرو گی پھر ؟"

یمنہ نے اپنے کندھوں پر پڑی شال کو مزید اچھی طرح لپیٹا اور اس کے سامنے آ کر رک گئی۔

''آپ کے لیے یہ شاید ایک عام سا کیس ہوگا۔ ایک وڈیرہ ہے، اس کے خلاف ثبوت اکٹھے کرنے ہیں،

پھر کارروائی کرنی ہے۔ لیکن میرے لیے وہ میری بہن ہے، فرزام صاحب میری سگی بہن وہ نہ جانے کس حال میں ہوگی اور میں یہاں بیٹھ کر آپ کے گھر میں ثبوتوں کا انتظار کروں؟''

''تمہیں کیا لگتا ہے، میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا ہوں؟''

''مجھے تو یہی لگ رہا ہے۔''

فرزام نے گہری سانس لی۔ اس لڑکی کا غم اپنی جگہ، مگر اس کا اندازِ گفتگو اس کے صبر کا امتحان لے رہا تھا۔

URDU NOVELS MAG

تو پھر مجھے ہی کیوں بلایا تھا تم ؟

وہ اپنا ضبط کھو رہا تھا ---

"کیونکہ اس وقت پوری دنیا میں آپ ہی مجھے اپنے لگے تھے--مجھے لگا تھا آپ میرے محسن ہیں"

''یمنہ کسی کے گھر میں گھس کر اسے گرفتار کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ ہم قانون کے دائرے میں رہ کر کارروائی کرتے ہیں---- جلد بازی سارہ کو نقصان پہنچا سکتی ہے ۔کیا تم چاہو گی بہن کو بھی کھو دو ؟"

''اور اگر اس وقت کے دوران اسے کچھ ہو گیا تو؟'--اس خبیث نے میری بہن کی عزت خراب کر دی تو "؟؟؟

اس سوال پر فرزام کی نگاہیں جھک گئیں۔اب وہ ہر بات یمنہ سے کھل کر نہیں کر سکتا تھا --- بہت سی باتیں ابھی ایسی تھیں جو وہ کھل کر اسے بتا نہیں سکتا تھا۔

"تمہاری بہن محفوظ ہے ----وہ ایسا کچھ نہیں کرے گا"

"کیوں ؟ وہ درندہ کیوں چھوڑے گا اسے ؟"

یمنہ کی آنکھیں ایک بار پھر بھیگنے لگی تھیں، مگر اس نے پلکیں جھپک کر آنسو روک لیے۔

''میں نے آج اپنے باپ کو مٹی کے نیچے دیکھا ہے۔ اب میں اپنی بہن کو بھی نہیں کھونا چاہتی۔ آپ میری مدد نہیں کر سکتے تو صاف بتا دیں۔ میں خود اسے ڈھونڈ لوں گی۔''

فرزام نے کرسی کی پشت سے ٹیک ہٹائی۔

"مدد کی نیت نہ ہوتی تو تم یہاں نہ ہوتیں یمنہ"

"کتنی رشوت دی ہے اس وڈیرے نے آپ کو ؟کتنے میں اپنا ایمان بیچا ہے آپ نے ؟

وہ صدمے سے پاگل ہو چکی تھی -- جو منہ میں آرہا تھا وہ بول رہی تھی ۔

فرزام سکندر ایک جھٹکے سے کافی کا مگ چھوڑے بڑے جارحانہ انداز میں کھڑا ہوتا اس کے سامنے آیا ۔

"تمہاری اتنی جرات کہ تم میرے ہی گھر میں میری ہی چھت کے نیچے کھڑی ہو کر مجھ پر رشوت کا الزام

لگا رہی ہو"

فرزام کے چہرے پر شدید غصہ اور بیزاری دیکھ کر یمنہ نے اپنے قدم پیچھے لئے ۔

"مجھے لگا باپ کی موت پر غم زدہ ہو صدمہ ہے تمہیں مگر تمہارا تو شاید دماغ ہی خراب ہو گیا ہے"

"مے۔ --میرا مطلب یہ نہیں --تھا"

یمنہ خوفزدہ ہوتی ہوئی بولی -- وہ شاید کچھ زیادہ ہی بول گئی تھی ۔

فرزام نے چند لمحے اسے گھورا۔ اس کے چہرے پر غصے کے ساتھ شدید ناگواری بھی نمایاں تھی۔

''تو پھر کیا مطلب تھا تمہارا؟''

یمنہ نے لب بھینچ لیے۔

''میں--- میں بس اپنی بہن کے لیے پریشان ہوں۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ کیا کروں۔''

''اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے تمہیں اپنے گھر میں پناہ دی، تم اسی پر اپنا ایمان بیچنے کا الزام لگا دو؟''

''میں نے غصے میں کہہ دیا تھا۔''

''غصہ تمہیں ہر بات کہنے کا اختیار نہیں دے دیتا، یمنہ"

اس کی آواز بلند ہوئی تو یمنہ نے بے اختیار سر جھکا لیا۔

''تمہیں معلوم بھی ہے تم کس سے بات کر رہی ہو؟ میں اس محکمے میں اپنی مرضی سے نہیں آیا۔ برسوں کی محنت اور عزت داؤ پر لگا کر یہ وردی پہنی ہے۔ کسی وڈیرے کی چند نوٹوں کی گڈیاں میرے ضمیر کی قیمت نہیں ہو سکتیں۔۔۔اور میں نے اگر اپنا ایمان بیچا ہوتا تو تم بھی اب تک اس کی حویلی میں ہوتیں"

''آئندہ مجھ سے بات کرتے ہوئے اپنی زبان پر قابو رکھنا۔ تمہاری پریشانی اپنی جگہ، مگر میں تمہاری ہر بدتمیزی برداشت کرنے کا پابند نہیں ہوں۔''

یمنہ کی آنکھیں پھر سے نم ہو گئیں۔

''معاف کر دیں۔''

فرزام نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ دوبارہ اپنی کرسی کی طرف بڑھا۔۔۔اس لڑکی نے اس کے ایمان پر انگلی اٹھائی تھی ۔۔۔ کیسے برداشت کرتا وہ ۔۔۔جن گناہوں کی بخشش کے لئے وہ اپنے رب کے سامنے روتا رہا ہے وہ لڑکی کتنی آسانی سے پلٹ کر اسے ماضی میں لے گئی ۔۔

یمنہ اب بھی وہیں کھڑی رہی۔ پھر دھیمی آواز میں بولی۔

"میرے منہ سے غلط بات نکل گئی ۔۔میں شرمندہ ہوں"

''اپنے کمرے میں جاؤ، یمنہ۔"

وہ بس اتنا ہی بول کر خود بھی وہاں سے چلا گیا---یمنہ اس کی پشت کو جاتا گھورتی رہی ۔وہ ایسا تو کچھ نہیں کہنا چاہتی تھی جانے کیوں اس کے منہ سے نکل گیا---وہ بے بسی سے بس فرزام سکندر کو وہاں سے جاتا ہوا دیکھ رہی تھی ---

فرزام سکندر تھانے جانے کے لیے مکمل وردی میں تیار کھڑا تھا۔ سیاہ چمکتے بوٹ، کاندھوں پر سجے عہدے کے بیجز اور سرمئی آنکھوں میں ہمیشہ کی طرح چھائی سنجیدگی اس کی شخصیت کو مزید رعب دار بنا رہی تھی۔ کریم بابا اس کے قریب کھڑے اس کی روانگی کے لیے ضروری چیزیں سمیٹنے میں مدد کر رہے تھے۔

''آپ اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی نہیں کریں گے، فرزام بابا؟''

فرزام نے اپنی کلائی پر گھڑی کا پٹا درست کرتے ہوئے نگاہ اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''گرلز ہاسٹل ہے۔ وہاں وہ محفوظ رہے گی۔ اس کی حفاظت کے تمام ضروری انتظامات بھی کروا چکا ہوں۔''

وہ میز سے اپنی کیپ اٹھا کر سر پر رکھتا ہوا موبائل کی طرف بڑھا۔

''مگر وہ ساری رات روتی رہی ہے۔ ابھی تو ٹھیک سے اپنے باپ کا غم بھی نہیں منا پائی۔ ایسے وقت میں اسے یوں تنہا چھوڑ دینا کہاں کا انصاف ہے؟''

''وہ لڑکی میرے منہ کو آرہی ہے، کریم بابا اور آپ کہہ رہے ہیں کہ وہ اپنا غم نہیں منا پائی؟"

فرزام نے موبائل اٹھایا اور ایک نظر اس کی اسکرین پر ڈالی۔

اس کے لہجے میں ہلکی سی ناگواری در آئی۔

''وہ بہادر لڑکی ہے۔ اپنا دفاع کرنا جانتی ہے۔ جہاں تک میرا فرض تھا، میں پورا کر چکا ہوں۔ اس سے زیادہ میں اس کی ذمہ داری نہیں اٹھا سکتا۔''

"عمر میں چھوٹی بھی تو ہے اور بلکل تنہا بھی"

کریم بابا نے اہم نقطے پر توجہ دلائی ۔

"یہی بات آپ کو سمجھا رہا ہوں وہ کم عمر اور کنواری لڑکی ہے میں اپنے عہدے کا غلط استعمال نہیں کر سکتا اسے یہاں رکھوں گا تو مجھ سے باز پرس کی جائے گی کیا آپ میرے لئے مشکلات کھڑی کرنا چاہتے ہیں ؟"

"میں آپ کی بات کو سمجھ رہا ہوں --"

وہ سر جھکائے بس اتنا ہی بولے --

"نہیں آپ اب بھی نہیں سمجھے ---ہوسٹل میں سب انتظام پولیس کی نگرانی میں ہیں یہ کیس اب عدالت میں چلے گا ---جب تک لڑکی کا کوئی فیصلہ نہیں ہوتا سارا خرچہ سرکار اٹھائے گی اسے وہاں کوئی تکلیف نہیں ہو گی ،لیکن اگر وہ اس گھر میں رہے گی تو میں ضرور مصیبت میں پڑ جاؤں گا"

اب کی بار فرزام نے پوری وضاحت سے بات سمجھانے کی کوشش کی ۔

کریم بابا نے اس کے چہرے پر نگاہ جمائی۔

''فرزام بابا کیا آپ کو اس بچی پر ذرا بھی ترس نہیں آتا؟ باپ دنیا سے چلا گیا، بہن کا کچھ پتا نہیں اور اب آپ بھی اسے اس حال میں یہاں سے بھیج رہے ہیں۔''

فرزام کے ہاتھ ایک لمحے کو رکے، مگر اگلے ہی پل اس نے موبائل جیب میں ڈالا۔

''میں اسے یہاں نہیں رکھ سکتا۔ آپ بھی یہ فضول کی ضد چھوڑ دیجیے۔''

اس نے دروازے کی طرف قدم بڑھایا، پھر جیسے کچھ یاد آنے پر پلٹ کر بولا۔

''اور ہاں راستے میں اس کے گھر سے اس کا سامان بھی اٹھوانا ہے۔ لیکن یہ کام پوری نگرانی میں ہونا چاہیے۔ کوئی غیر متعلقہ شخص اس کے سامان کو ہاتھ نہ لگائے۔''

اس کے لہجے میں واضح ہدایت تھی، کسی بحث کی گنجائش نہیں۔

کریم بابا نے اسے مزید کچھ سمجھانے کے لیے لب کھولے، مگر پھر خاموش ہو گئے۔ وہ فرزام کی طبیعت سے خوب واقف تھے۔ جب وہ کسی فیصلے پر پہنچ جاتا تو پھر کسی کی دلیل، التجا یا جذبات اس کے ارادے کو بدل نہیں سکتے تھے۔

وہ خاموشی سے ایک طرف ہٹ گئے۔

فرزام نے دروازے کی طرف قدم بڑھائے تو کریم بابا کی نگاہیں غیر ارادی طور پر اس کے پیچھے اٹھ گئیں۔

وہ جانتے تھے کہ فرزام نے یمنہ کے لیے بہت کچھ کیا تھا، مگر شاید وہ یہ سمجھنے کو تیار نہیں تھا کہ بعض اوقات کسی بے آسرا انسان کو صرف محفوظ چھت نہیں، کسی اپنے کی موجودگی بھی درکار ہوتی ہے۔

یمنہ اپنے کندھوں کے گرد فرزام کی کالی شال لپیٹے خاموشی سے کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر رات بھر کے جاگنے اور رونے کے آثار نمایاں تھے۔ آنکھیں سوجی ہوئی اور چہرہ زرد پڑ چکا تھا۔

''چلیں بیٹی، گاڑی میں بیٹھیں۔''

کریم بابا کی آواز پر اس نے دھیرے سے سر اٹھایا۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

''آپ کو گرلز ہاسٹل چھوڑنے۔ فرزام بابا نے وہاں آپ کے رہنے کا انتظام کروا دیا ہے۔''

یمنہ کی آنکھوں میں یکدم بے بسی اتر آئی۔

''لیکن میں وہاں نہیں جانا چاہتی۔''

کریم بابا نے اس کے چہرے کو دیکھا۔

''بیٹی، یہ فیصلہ فرزام بابا کا ہے۔''

''تو ایک دفعہ میری ان سے ملاقات کروا دیجیے نا۔ میں انہیں منا لوں گی۔ وہ میری بات ضرور سمجھیں گے۔''

اس نے جلدی سے کہا جیسے اسے ابھی بھی امید تھی کہ کوئی راستہ نکل سکتا ہے۔

''میں کیسے رہوں گی وہاں اکیلی؟ مجھے تو اکیلے رہنے کی عادت بھی نہیں ہے۔ پتا نہیں وہاں کیسے لوگ ہوں گے، کون ہوں گے؟ میں کسی کو جانتی تک نہیں۔''

اس کی آواز دھیرے دھیرے بھرا گئی۔

"بیٹا فرزام بابا بھی مجبور ہیں"

کریم بابا نے اسے سمجھانے کی کوشش کی ۔

''مجھے بس چند دن یہاں رہنے دیجیے۔ صرف کچھ دن میں اپنے لیے کوئی انتظام کر لوں گی۔ کہیں نہ کہیں کوئی کام ڈھونڈ لوں گی، پھر خود ہی چلی جاؤں گی۔ آپ بس ایک بار فرزام سے بات کر لیجیے۔''

کریم بابا کے چہرے پر بے بسی سی پھیل گئی۔ وہ اس بچی کی حالت سمجھ رہے تھے، مگر فرزام کے فیصلے سے بھی واقف تھے۔

''بیٹی آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ فرزام بابا کا فیصلہ آخری ہوتا ہے۔ وہ ایک بار جو کہہ دیں، اس پر عمل کرنا ہی پڑتا ہے۔ میں بھی چاہ کر ان کے فیصلے کے خلاف نہیں جا سکتا۔''

یمنہ کے لبوں پر آنے والے الفاظ وہیں دم توڑ گئے۔

اس نے ایک نظر اس گھر کی طرف دیکھا جہاں گزشتہ چند روز سے اسے ایک محفوظ چھت میسر تھی۔ پھر خاموشی سے اپنی شال کو مزید اچھی طرح کندھوں کے گرد لپیٹا اور گاڑی کی پچھلی نشست پر جا بیٹھی۔

کریم بابا نے دروازہ بند کرنے سے پہلے اسے ایک لمحے دیکھا، پھر جیسے انہیں کچھ یاد آیا۔

"بیٹی فرزام بابا کی شال ؟"

یمنہ کی انگلیاں بے اختیار شال کے کنارے پر رک گئیں۔۔

"یہ میرے پاس ہی رہنے دیں پلیز۔۔ ان سے کہیے گا خیرات میں بخش دیں مجھے ۔۔۔"

کریم بابا نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا۔

''اللہ آپ کے لیے آسانیاں پیدا کرے، بیٹی۔ آپ کے نصیب اچھے کرے اور آپ کو ہر مصیبت سے محفوظ رکھے۔''

یمنہ کی پلکیں بھیگ گئیں، مگر اس نے آنسوؤں کو باہر آنے سے روک لیا۔

کریم بابا دروازہ بند کر کے گاڑی کی دوسری طرف گئے اور اگلی نشست پر بیٹھ گئے۔ وہ اسے خود اپنی نگرانی میں ہاسٹل چھوڑنے جا رہے تھے۔

گاڑی آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی۔

یمنہ نے شیشے سے باہر نگاہ دوڑائی۔ گھر کی دیواریں، لان اور وہ راستہ جس سے وہ گزشتہ روز گزری تھی، سب دھیرے دھیرے پیچھے چھوٹتے جا رہے تھے۔

اس نے اپنا سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا اور آنکھیں موند لیں۔

فرزام سکندر اس کا سگا نہیں تھا، نہ ہی اس سے خون کا کوئی رشتہ تھا، مگر نہ جانے کیوں اسے وہ ایک گھنے، سایہ دار درخت کی مانند محسوس ہوتا تھا، جس کے سائے تلے دل اپنی تمام فکریں اور خوف بے جھجک رکھ دینے کو بے قرار رہتا ہے۔ جانے ایسا کیا تھا اس انسان کی موجودگی میں کہ اس کے آس پاس رہتے ہوئے اسے اپنے تمام اندیشے چھوٹے اور خوف بے معنی محسوس ہونے لگتے تھے۔ شاید بعض رشتے خون سے

نہیں، احساسِ تحفظ سے جنم لیتے ہیں۔



URDU NOVELS MAG